من عرف نفسہ فقد عرف ربہ

بتد الحمد کافرید مرا * با ہزاران گنہ گزید مرا

بندہ عیب دار کس نخرد * او بصد عیب ہا خرید مرا

اعجوبہ اسرار

من تالیف تصنیف

جناب نعمت محمد خان صاحب [illegible] ضلع بلند شہر

یو-پی

شمسی مشین پریس آگرہ میں محمد جلیل خان کے اہتمام سے چھپی

سنہ ۱۹۲۳ء

قیمت فی جلد ایک روپیہ - جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

لا تنظروا الی من قال وانظروا الی ما قال

جو انقلاب گذشتہ ہے ایک کہانی ہے یہ جو انقلاب کہ درپیش ہے وہ فانی ہے

او مجھ کو دوام حوادث میں ازسرت کو نہ بھول یہ جو خوشی نصیب ہے اس سے یہ بات مانی ہے

اعجوبۂ اسرار

مصنفہ

جناب منشی محمد جان صاحب خلیل خورجوی

در مطبع شمسی مشین پریس کوتوالی آگرہ طبع شد

اخبار اور رسالوں کی رائیں

(۱) رسالہ تعلیم و تربیت لاہور مطبوعہ جلد نمبر ۳ ماہ فروری ۱۹۱۸ء

انجوبۂ اسرار یہ مختصر مگر دلکش اور خوش و نفع رسالہ ترتیب اخلاق اور حیات روحانی کے نشو و نما کے لئے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کے زرین اصول کو مدنظر رکھکر لکھا گیا ہے۔ اس میں انسان کی اصلیت۔ نفسانیت۔ روحانیت فنا وغیرہ کے الگ الگ موضوع نہایت دل آویز پیرایہ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ جابجا قطعات رباعیات نے کتاب کو اور بھی دلچسپ بنا دیا ہے۔ غرضکہ کتاب کیا بحیثیت مضامین کیا بلحاظ زبان کیا بخیال لکھائی چھپائی کاغذ ترتیب و تہذیب نہایت قابل قدر اور لائق داد ہے۔ چنانچہ بطور نمونہ زندگی کا پہلا دن اسی کا اقتباس ہے

ہمارے خیال میں اس کتاب کا طالب علموں کی نظر سے گذرنا نہایت مفید ہوگا اور ایسی ہی تالیفات ہیں جو خالی دنیاداری کے روگیوں اور گم گردگان راہ ہدایت کو اصلی اور حقیقی منزل مقصود کا راستہ بتا دیتی ہیں۔

حکام سررشتہ تعلیم کو ایسی کتاب کا اسکول لائبریریز کے لئے منظور فرمانا اور خریدنا دراصل ایک سچی علمی اور ملکی خدمت ہے جس سے اُردو لٹریچر میں ایک بیش قرار اضافہ ہوسکتا ہے۔

(۲) رسالہ اشاعت اسلام لاہور مطبوعہ جلد نمبر ۲ ماہ فروری ۱۹۱۸ء

اعجوبۂ اسرار - یہ عجیب و غریب کتاب جناب نقی محمد خانصاحب خلیل سپرنٹنڈنٹ
پولیس نے تصنیف کی ہے اس میں نفسانیت انسان کی ماہیت - روحانیت
فنا پر مبسوط بحث کی گئی ہے حسن سیرت کے علاوہ حسن صورت میں بھی تصنیف
مذکور عمدہ ہے۔

---

(۳) پیسہ اخبار مطبوعہ ۱۴ مارچ ۱۹۱۸ء لاہور

اعجوبۂ اسرار مولوی محمد نقی خانصاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس نے اردو میں مواعظ و نصائح
خیالات کا دریا بہا دیا ہے۔ سرورق کے عنوان پر قرآن شریف کی ایک آیت لکھی
ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا
تین صفحہ کا دیباچہ ہے جس میں ایک موثر خواب کا ذکر کیا ہے [illegible]
انسان کی ماہیت۔ نفسانیت۔ روحانیت۔ فنا وغیرہ پر جداگانہ بحث کی ہے۔
کتاب رنگین سرورق کے ساتھ حسن و خوبی سے طبع ہوئی ہے۔

---

(۴) رسالہ المنیر جھنگ مطبوعہ ۲۴ مارچ ۱۹۱۸ء

اعجوبۂ اسرار - یہ کتاب جس کا ٹائٹل نہایت خوبصورت رنگین اور کاغذ لکھائی و
چھپائی نہایت اعلیٰ ہے مسٹر نقی محمد خانصاحب خلیل سپرنٹنڈنٹ پولیس کی
تصنیف ہے جسمیں آجکل کے نوجوان اور بچوں کے لئے خصوصیت سے ایسے
روحانی دلچسپ مضامین لکھے گئے ہیں کہ باید و شاید۔ لفظ لفظ سے درد و اخلاق
ٹپکتا ہے۔ ایک دفعہ ہاتھ میں لیکر ختم کئے بغیر کتاب رکھنے کو دل نہیں چاہتا بلکہ
بار بار پڑھنے کا شوق ہوتا ہے قصہ مختصر یہ کتاب نہایت دلچسپ ہے۔

(۵) اخبار نیر اعظم مرادآباد مطبوعہ ۱۹ اپریل ۱۹۱۸ء

اعجوبہ اسرار - نقی محمد خانصاحب خلیل سپرنٹنڈنٹ پولیس ریاست بھرت پور کی تصنیف ہے۔ سر ورق رنگین اور نہایت خوشنما لگایا ہے - ایک ورق ڈیڈی کیشن کا لگانے کے بعد بسم اللہ سے شروع کرکے پہلا خواب اور انٹروڈکشن لکھا ہے - اوسکے بعد کتاب شروع کی ہے حمد و نعت اور دعا کے بعد انسان کی ہستی پر ابتدا سے انتہا تک یعنی بچپن سے بڑھاپے تک اوسکی خواہشات واقعات اور حالات نہایت دلچسپ پیرایہ میں صوفیانہ مذاق سے لکھے ہیں عالم لاہوتی - ناسوتی کا ایک دائرہ دیا ہے - اس کے بعد انسان کی ماہیت کے متعلق ایک حصہ لکھا ہے - نفسانیت - روحانیت اور فنا کا ذکر ہے آخر میں دوسرا خواب لکھ کر کتاب کو ختم کیا ہے حقیقت میں یہ تصوف کی کتاب ہے اور یہ دکھلایا گیا ہے کہ انسان کیا چیز ہے اور دنیا میں کس لئے آیا ہے جا بجا دوہے اور فارسی اُردو کے تصوفانہ شعروں نے اس کتاب کے لطف کو اور بھی دوبالا کر دیا ہے - خوبی یہ ہے کہ تصوف میں ہے لیکن کتاب کی خوبی اور دلچسپی اس بات کی متقاضی ہے کہ شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر ہاتھ میں سے نہیں رکھی جا سکتی حسن و خوبی صورت کے ساتھ حسن سیرت بھی اچھا ہے - لکھائی چھپائی کاغذ بہت بہتر ہے ۱۲ر قیمت پر طلب کرکے ہمارے بیان کی تصدیق فرمایئے مرد عورت - بچے جوان سب کے واسطے یکساں کار آمد اور مفید ہے - سرکاری پرائیوٹ اسکولوں کی لائبریری ابتدائی تعلیمی مدارس کے کورس کے داخلہ کے قابل اور سالانہ اسکولوں کے امتحان میں کامیاب طلبہ کو انعام دینے کے لئے بہترین چیز ہے۔

(۶) اخبار عام لاہور مطبوعہ ۴ ۔ مئی ۱۹۱۸ء

اعجوبۂ اسرار ۔ مصنفہ جناب نقی محمد خانصاحب خلیل سپرنٹنڈنٹ پولیس
خدادوستوں اور علم روحانیت کے شائقین اور اس انسانی مشین کے خفیہ
رازوں کے تحقیقات کے دلدادگان کے لئے یہ کتاب حد درجہ مفید اور دلچسپ ہے
اسکی لکھائی چھپائی اور کاغذ کی صفائی بھی ایسی خوشنما ہے کہ جیسی ایک پاکیزہ کتاب
کے لئے ہونا لازمی ہے ۔ اسکے مصنف صاحب معلوم ہوتا ہے کہ ان ذی فہم
اصحاب میں سے ہیں جو دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے ہیں اور انسانی زندگی کے
نہایت پر اسرار طبقات اور دائرے روحانی کی تحقیقات میں عملاً مصروف ہیں ۔
اور جس ریاست میں ایسے خیالات والے پاک بندے پولیس کے اعلیٰ محکمہ
میں ہیں مبارک ہے وہ ریاست اور مبارک ہیں وہ انسان جو ان خیالات میں
اپنے دل و دماغ صرف کرتے ہیں ۔

---

(۷) اخبار رہنما مراد آباد مطبوعہ ۱۵ مئی ۱۹۱۸ء

اعجوبۂ اسرار منشی نقی محمد خانصاحب خلیل نے ایک نفیس اور دلچسپ کتاب
ہمارے پاس بغرض ریویو بھیجی ہے ہم نے اعجوبۂ اسرار کو سرسری مطالعہ کیا ہماری رائے
میں اسکے مصنف ایک سلیم القلب شخص ہیں جنہوں نے روحانیت نفسانیت
وغیرہ کے متعلق اچھے طرز سے مضمون لکھا ہے یہ کتاب درحقیقت ایک تصوفانہ
رنگ کی کتاب ہے جسکو جدید طرز تحریر کی چاشنی دی گئی ہے ہم منشی صاحب کے
زور قلم کی تعریف کرتے ہیں اس میں شبہ نہیں کہ فی زمانا مسلمانوں کو جس چیز کی
سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ تزکیہ نفس خوف خدا اور عقبیٰ ہے اور یہ مقصد
اعجوبۂ اسرار کے مطالعہ سے پورا ہو سکتا ہے ۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر ایک مو ئیڈ

اور سرکاری لائبریریوں کے لئے خرید کیا جاوے تاکہ مصنف کی حوصلہ افزائی ہو
عمدہ کاغذ پر عمدہ اہتمام سے چھاپی گئی ہے۔

(۸) اخبار وطن لاہور مطبوعہ ۱۹۔ اگست سنہ ۱۹۱۸ء

الجوبہ اسرار۔ میں منشی نقی محمد خانصاحب نے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کی لطیف مگر عام فہم طریقہ سے کی ہے چھپائی نہایت ہی اعلیٰ خط بہت ہی صاف اور کاغذ بھی نفیس ہے۔

ڈیڈی کیشن

این گل ز بر ہم نفسے می آید
پیوستہ از آن روے کنم ہمدمیش

شادی بدلم از و بسے می آید
کز بوئے وفا بوئے کسے می آید

میں اس مختصر کتاب کو بہ کمال ادب و عقیدت برادر معظم جناب حافظ **محمد لقاء اللہ خان صاحب** آنریری مجسٹریٹ خورجہ و منصب دار مملکت آصفیہ سرکار نظام حیدرآباد دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہٗ کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں جن کی فیضان صحبت بزرگانہ کمال شفقت اور محنت نے مجھ پر جو خاص اثر کیا ہے اُس کا اندازہ ناظرین کو اِس کتاب کے مطالعہ سے ہو جاوے گا – آپ حضرت مولانا محمد نصر اللہ خان صاحب خورجوی رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بھتیجے ہوتے ہیں جن کے پرتو کا یہ اثر ہوا ہے کہ آپ کے اوصاف۔ آپ کی ہمدردی اخلاق بزرگی اور ہر دلعزیزی ثابت اور مسلم ہے۔

نقی محمد خان خلیل

۱۹۱۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آمد سحرے ندا ز میخانۂ ما | کا ے رند خراباتی دیوانۂ ما
برخیز کہ پرکنیم پیمانہ ز مے | زاں پیش کہ پر کنند پیمانۂ ما

پہلا خواب اور انٹروڈکشن

سنہ ۱۹۱۰ء کے فروری مہینے کی بیسویں تاریخ اور جمعرات کی رات تھی گو ابھی بارہ نہیں بجے تھے لیکن سردی معمول سے کسی قدر زیادہ ہو چلی تھی ہوا سے محفوظ رکھنے کے واسطے مکان اور کمروں کے دروازے بند کر دئے گئے تھے اور آتشخانہ بھی بخوبی روشن تھا۔ گو الہ آباد کچھ سرد مقام نہیں ہے تاہم سردی ایسی غیر معمولی تھی کہ ہر چیز گویا برف کی بنی ہوئی معلوم ہوتی تھی اسمیں شک نہیں کہ موسم سرما ہر لحاظ سے خوشگوار موسم ہوتا ہے لیکن اوس سے دراصل وہی حقیقی لطف حاصل کر سکتے ہیں جو کہ مطمئن تندرست اور فارغ البال ہوں ورنہ ظاہر ہے کہ پریشانی اور مصیبت میں ہر ایک لطف وبال جان ہو جاتا ہے۔ بدقسمتی سے میں بھی اوس زمانہ میں تفکرات دنیاوی میں مبتلا تھا۔ علاوہ اسکے ایک طرف جان بلب پڑا تھا اوسکی یاں شدید علالت کی وجہ سے زندہ درگور کی مثال تھی۔ گھر میں جس قدر بھی تیمار تھے کچھ نہ کچھ بیمار اور بدحواس تھے۔

یہ وہ وقت تھا کہ جبکہ لطیفہ کی آنکھ لگ گئی تھی اور عورتیں ۔ ماما ئیں بھی تھکی ماندی اپنے اپنے بستروں پر جا پڑی تھیں ۔ تھوڑی دیر سے سناٹا اور عالم خاموشی میں ہر جانب اداسی اور افسردگی کا ہجوم تھا ۔ آدھی سے زیادہ رات گذر چکی تھی لیکن مجھے کسی پہلو کسی کروٹ نیند نہ آتی تھی ۔ کبھی مجھے چند گھنٹے پیشتر کا وہ حسرتناک سین پیش نظر آ کر پریشان کرتا تھا جبکہ مرحومہ لطیفہ نے سہ سالہ لڑکی اور نوزائیدہ بچے کی طرف حسرت و یاس سے دیکھ کر اور زندگی سے قطعی مایوس ہو کر کہا تھا کہ الہٰی تو ہی ان کا نگہبان ہے اور ان بچوں کی جدائی میرے واسطے موت سے بھی زیادہ سخت ہے ، یہ مختصر جملے میرے کانوں میں گونج رہے تھے اور دنیا کی بے ثباتی کی بھیانک تصویروں کو گھیر گھیر کر میرے سامنے لاتے تھے اور باوجود کوشش کے اس پریشان کن حالت کے دفعیہ کی کوئی تدبیر بن نہ پڑتی تھی ۔ اس وقت سوائے دونوں بچوں کے جنکو ان باتوں کا کچھ بھی احساس نہ تھا اور اپنی ہمیشہ کے لئے رخصت ہونیوالی شفیق ماں کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے گھر میں کون ایسا تھا جو اوس حالت سے متاثر نہ ہوا

یہی سب وہ خیالات دلشکن تھے جو میری بےچینی اور بیقراری کو کسی طرح پر کم نہ ہونے دیتے تھے ۔ الغرض میں خدائے مطلق سے مدد کا طالب ہوا اور اس خیال میں کچھ ایسا محو ہوا کہ آنکھ لگ گئی ۔

قطعہ

با زلف تو گر دست درازی کردم | از روئے حقیقت نہ مجازی کردم
در زلف تو دیدم دل دیوانہ خویش | من با دل خویش دستبازی کردم

اب میں ایک دوسرے ہی عالم میں تھا ۔ نہ وہ خیالات تھے نہ دل کی بےچینی

نہ مجھے اللہ کی وہ خوفناک تصویریں۔ نہ وہ کوفت اور خستگی جس نے تھکنا چور کرکے مجھے چارپائی پر ڈھیر کر دیا تھا۔ نہ سونے سے پہلے کا وہ دلفگار نظارہ تھا جسکو نہ دیکھ ہی سکتا تھا اور نہ بلا دیکھے چین آتا تھا۔

الحمد اللہ یہ خواب تھا یا خیال اگر خیال کہوں تو اوسکے وجود کی ضرورت ہے جس سے کوئی خیال پیدا ہوتا ہے اور اگر خواب سے تعبیر دوں جو ملہم غیبی کی طرف سے ہوا کرتا ہے تو اسکی تعبیر کیا کہوں کیونکہ ابھی تک صرف اسی قدر تھا جو بیان ہوا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہجوم خیالات کی محویت سونے میں بھی اپنی تاثیرات سے متاثر رکھتی ہے یا قوت مدرکہ کسی دوسرے ہی کشاکشی میں ڈالدیتی ہے۔ خواب راحت میں قوت متخیلہ حقیقتاً اپنی ملکہ روحی سے باتیں بنایا کرتی ہے اور کبھی خاص خاص حالتوں میں حواس ظاہری کے معطل ہو جانے سے غیبی اسرار بھی نئی نئی اور نوعیت کے ساتھ منکشف ہونے لگتے ہیں اور یہ آخرالذکر صورت بلاشبہ پاکیزگی نفوس انسانی کے فتوحات مانے جاتے ہیں۔ لیکن اپنے پاس تو سوائے گناہوں کی پوٹ کے کچھ بھی نہ تھا پھر کیونکر ان سب باتوں کو اپنے حسب حال سمجھا جائے اپنی حالت تو اس کے مصداق ہے ؎

نہ شگوفہ ام نہ برگم نہ درخت سایہ دارم
ہمہ حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشت مارا

بہرحال اس طولانی بحث کو فی الحال چھوڑ کر اپنے خواب کو بیان کرتا ہوں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک قدسی صفت بزرگ عجیب خوش الحانی سے ایک شعر حالت وجد میں پڑھتے ہوئے مسجد سے برآمد ہوئے جس خوشنما چھوٹی سی سنگ مرمر کی مسجد کے صحن میں میں بیٹھا ہوا تھا وہ ایک پرفضا میدان اور پہاڑی سلسلہ کے دامن میں واقع تھی اور یہ نظارہ کچھ عجیب دلکش تھا۔

اوس شعر کے مضمون نے نہ صرف مجھ پر ہی ایک خاص وجدانی کیفیت پیدا کر دی
تھی بلکہ وہ خود بھی حالت بے خودی اور عالم سرور میں بار بار اوس کو پڑھتے
کبھی آبدیدہ ہو جاتے اور کبھی دیواروں سے سر کو ٹکرانے لگتے تھے۔ کاش اوس
حالت کو میں الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر کر سکتا تو یقیناً میری وہ تحریر ہی کیفیت ناظرین
کو متوالا بنا دینے کے واسطے کافی تھی۔ اس کے علاوہ عجیب بات یہ ہوئی کہ بعد میں
اوس شعر کے مضمون کو بھی کچھ ایسا بھولا کہ سوائے اسکے کہ وہ ایک قطعہ فارسی کا
شعر تھا اور کچھ یاد نہ رہا گویا کبھی سنا ہی نہ تھا۔
بہرحال بحالت مجموعی وہ سرور کچھ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ اپنے اوس خواب کی دلچسپ
کہانی سناتے وقت بھی ہر مرتبہ ایک نیا لطف اوٹھاتا ہوں اون بزرگوں سے
جو گفتگو ہوئی جسکا آخری ارشاد مجھ سے یہ تھا کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ
رَبَّهُ (یعنی جس نے پہچانا اپنے نفس کو گویا اوس نے پہچانا اپنے رب کو) کے معنی اور
مطلب پر غور کرو اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ تمہاری حقیقت کیا ہے۔

بکشائے پردہ چشم حقیقت نمائے را

خود را شناس تا بشناسی خدائے را

اس ارشاد کے بعد میں چاہتا تھا کہ کچھ اپنی کہوں اور اون کی سنوں کہ یکبارگی میری
آنکھ کھل گئی ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ ۔۔
اب نہ وہ موت اور زندگی کے درمیانی حالت تھی جس میں مبتلا ہو کر ہر ادنی اور
اعلی مساوی حیثیت میں ہو جایا کرتا ہے نہ وہ قابل قدر بزرگ تھے نہ وہ پر فضا سبزہ زار
اور خوشنما مسجد تھی جسکے صاف اور شفاف صحن میں بلب حوض کے کنارہ پر بیٹھا ہوا
تھا اور دلچسپ قدرتی نظاروں سے لطف حاصل کر رہا تھا نہ وہ قدرتی سبز مخملی
فرش تھا نہ شفاف پانی کے چشمے تھے جن سے قلب مسرور ہو رہا تھا۔

یا تو در اصل یہ خواب تھا یا میرے دلی جذبات کی درپردہ ایک جھلک تھی جسکا کچھ ایسا گہرا اثر پڑا جو آج تک قایم ہے - اس سے قبل ہزاروں راتیں خواب غفلت میں بسر کیں لیکن اس خواب نے مجھے ہمیشہ کے واسطے بیدار کر دیا ہے

آنا کہ رہ نمودی با خود بروجوانان
ورنہ بحال پیری پروش نگاہ ہے

اگر یہ نہیں تو آخر پھر وہ کیا ایسا جادو تھا جس نے طبیعت میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا اور وہ کون سی کڑی تھی جسکا سلسلہ لامحدود زنجیر کی شکل میں قایم ہو رہا ہے -

بغفلت عمر شد حافظ بیا با ما بمیخانہ
کہ شنگولان سرمست بیاموزند کارے خوش

کیا قدرت کاملہ بخیل ہے ؟ کیا مالک اپنے کریم النفس بندوں کو بے شمار نعمتوں سے محروم ہی رکھتے ہیں ؟ کیا گنہگار اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ اونکو آخر وقت تک بادۂ ہدایت پر چلنے کا موقع دیا جاوے اصلیت یہ ہے کہ

اونکے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

اس کو خواب کہوں یا بیداری غفلت کہوں یا ہوشیاری کچھ بھی ہو اچھا وقت اور نیک ساعت تھی ہے

انچہ من دیدم عیان مست و خراب
ہیچ کس ہرگز نہ بیند این بخواب

انچہ من دیدم نیارم گفت باز
زین عجائب تر نہ بیند ہیچ باز

ہیچ نشنیدم چو بشنیدم ہمہ
من نہ دیدم گرچہ من دیدم ہمہ

چون ندانم چہ گویم بیش ازین
گرچہ او را دیدہ ام پیش ازین

من کہ او را دیدہ یا نادیدہ ام
در میان این و آن شوریدہ ام

جس نے اللہ کو دانستہ پہچانا اسکی زبان گنگ ہو گئی اور جس نے صفات سے
پہچانا وہ گویا کھلا۔ کیا اس قسم کی کوئی بات ہے کہ اس قدس طبیب کا ارشاد
مریض غفلت کو بجوں صحت کہلا رہا ہے کیا ہی عجب ہے کہ اوس ارشاد کی آواز
اس وقت تک کانوں میں گونج رہی ہے۔ میں رازجو نہیں بلکہ حقیقی ممنون ہیں
رضا جو ہوں اور اسی خیال کی یادداشتیں میں اپنے اور دوسروں کے
خیالات کو یکجا کر رہا ہوں خدا کرے میرے قول اور فعل ہمو زن ہو کر مجھے راہ راست
پر قایم رکھیں۔ ورنہ من آنم کہ من دانم ؎

یقین ہے محشر میں ہو تباہی مگر جو تو چاہے یا الٰہی
سمٹ کے سب میری روسیاہی نشان سجدہ بنے جبیں کا

اس رام کہانی کے بعد میں اس مختصر یادداشت کو پبلک کے روبرو پیش کرتا
ہوں خدا کرے میرے قابل قدر علم دوست عنایت فرماؤں کے خیال کے
مطابق جن میں خصوصیت سے خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی مرحوم
اور جناب نواب بہادر مولوی محمد اشفاق حسن خانصاحب ڈپٹی کلکٹر متوطن شاہجہانپور
قابل ذکر ہیں جنہوں نے میرے ان خیالات کو پسند فرما کر اوسکی اشاعت میں
امداد فرمائی تاکہ اصلاح خیالات و درستگی اخلاق کے باعث ہیں۔ عورت مرد
جوان بوڑھے بچے سب کے واسطے مفید اور کار آمد ثابت ہو۔ ساتھ ہی میں
کرنل اے۔ ڈی۔ بینرمین۔ سی۔ وی۔ او سی۔ آئی۔ ای۔ آئی۔ اے۔ پولٹیکل
اجنٹ کا بھی خصوصیت سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے بخوشی اس کتاب کی
اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی اور بطور قدر افزائی ایک چٹھی بھی عنایت
فرمائی جو اس کتاب کے مفید ہونے کی بیّن دلیل ہے الغرض ان علم دوست اصحاب
کی توجہ کی بدولت آج یہ چند پریشان اوراق ناظرین کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں

چونکہ پہلے ایڈیشن سے مجھے اسبات کا بخوبی اندازہ ہوگیا ہے کہ اس کتاب نے پبلک میں قبولیت عام کا درجہ حاصل کرلیا ہے اور اکثر اخبار اور رسالوں میں جو وقتاً فوقتاً ریویو شائع ہوئے ہیں ان سے اس خیال کی تصدیق ہوگئی ہے کہ یہ کوئی بے معنی قصہ کہانی نہیں ہے اسلئے اسکی دوبارہ اشاعت کا خیال پیدا ہوا لیکن چونکہ مجھے اپنی تصنیفات سے کبھی ذاتی فائدہ مدنظر نہیں رہا اسلئے اوس چشمۂ آب حیات کا سلسلہ جاری رکھنے کی غرض سے اس کا حق تالیف منیجر صاحب مطبع شمسی پریس آگرہ کو دیا جاتا ہے۔

اس دوسرے ایڈیشن میں مناسب موقعوں پر اشعار اور مضامین کے اضافہ نے کتاب کو غالباً زیادہ دلچسپ اور عام فہم بنا دیا ہے حتی الوسع عبارت آسان کی گئی ہے تاکہ معمولی قابلیت والے بھی آسانی سے سمجھ سکیں۔

خدا کرے میری اس محنت سے عقائد میں اصلاح اور ثواب دارین حاصل ہو اور خاکسار کو دعائے خیر سے یاد فرماویں۔

دل نشین شد سخنم تا تو قبولش کردی
آرے آرے سخن عشق نشانے دارد

(تقی محمد خان خلیل)
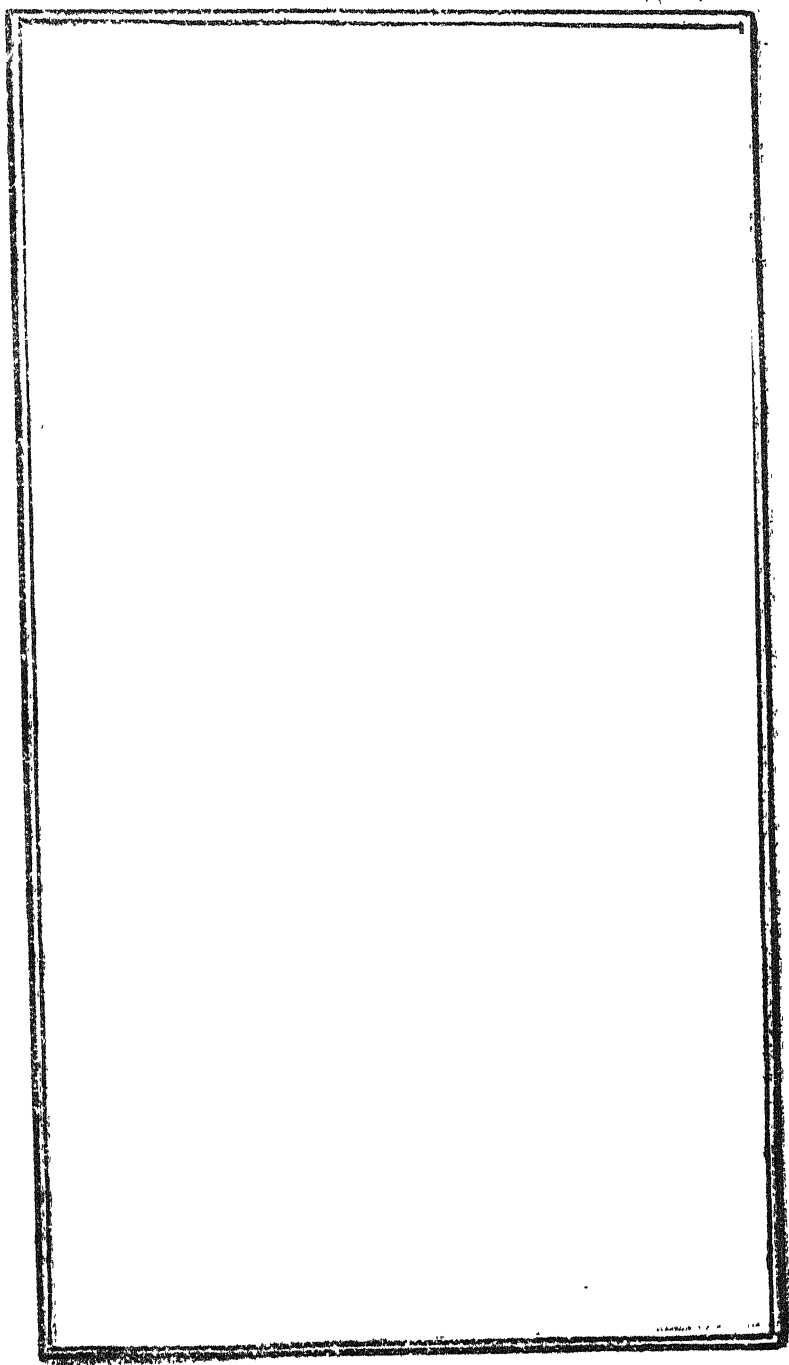
مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اپنے رب کو پہچانا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نمی گیرم درین گلشن گل و باغ و بہار از من
بہار از یار و باغ از یار گل از یار و یار از من
نمی دانم ز منع گریہ مطلب چیست ناصح را
دل از من دیدہ از من آستین از من کنار از من

سب تعریف اللہ ہی کو زیبا ہے جو مالک سارے جہان کا بہت مہربان نہایت رحم والا۔ مالکِ انصاف کے دن کا اے خدا تجھی کو ہم بندگی کرتے اور تجھی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔ چلا ہمکو سیدھی راہ اونکی جنپر تو نے فضل کیا نہ اونکی جنپر تو غصہ ہوا اور نہ راہ بھٹکنے والوں کی۔

کون نہیں جانتا کہ تمام عالموں کا بنانے والا خدا ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا اوسکا قیام لازمی اور ضروری ہے اور نہ ہوتا اوسکا امکان ہے۔ وہ سب سے بڑا اور جملہ صفات اور کمالات اوسکی ذات میں موجود ہیں۔ وہ زندہ ہے نہ اپنی جان سے بلکہ ذات سے۔ وہ سب کچھ دیکھتا ہے سنتا ہے بولتا ہے اور تمام نقصانوں سے پاک ہے وہ قطعی بے عیب ہے تمام مخلوقات کا وہی خالق ہے۔

اور تمام معلومات کا وہی عالم ہے سب ممکن چیزوں پر قادر ہے دانا اور بینا ہے نہ اوسکا کوئی مشابہ ہے نہ مددگار نہ شریک وہ عالم الغیب ہے اور وہی سب کو رزق پہونچاتا ہے بیماروں کو اچھا کرتا ہے۔ بلاؤں کو ٹالتا ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے عین قانون قدرت کے مطابق ہے اور جو قانون قدرت اوسنے بنا دیا ہے اوسکے خلاف کچھ نہیں ہوتا۔ وہ قانون قدرت کسی سبب کا محتاج نہیں جو چاہا سو کیا اور جو کچھ کیا وہ ٹھیک کیا۔ اوسکا نہ کوئی عرض ہے نہ طول نہ حرکت ہے نہ سکون۔ اوسکے تمام کام سراسر حکمت ہیں۔ اوسکی مثال کسی چیز سے نہیں دی جا سکتی کیونکہ وہ حد ادراک سے باہر اور اوسکی ذات تمام قسم کی مادیات اور غیر مادیات سے اس قدر اعلیٰ اور ارفع ہے کہ استعارے کے طور پر بھی اوسکا سمجھنا اور سمجھانا بعید از عقل ہے۔

ذہن میں جو گھر گیا لا انتہا کیوں کر ہوا
جو سمجھ میں آگیا پھر وہ خدا کیوں کر ہوا

یہ قرآن مجید کی آیت الحمد شریف کا ترجمہ اور تفسیر ہے جو ہمارے نبی برحق رسول کریم صلعم کے ذریعہ سے ہم تک پھونچائی گئی ہے۔

من آن نیم کہ وہم نقد دل بہر شوخے
در خزانہ بمہر توئی نشانہ تست

آپ کی ذات بابرکات کی تعریف میں زبان قاصر اور قلم ساکن ہے۔ تمام اخلاق عظیم اور مکارم اخلاق حلم وہمدردی اخلاق وغیرہ کی تعلیمات کاملہ جو قرآن شریف میں موجود ہے اور ایک پر عظمت اور وسیع دل کا نشان دیتی ہیں وہ سب کی سب رسول کریم کی حیات میں عملی جامہ پہن لیتی ہیں۔ ایک ذی فراست خاتون یعنی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے جن سے بڑھکر شاید ہی کوئی اور رسول پاک کی سیرت سے واقف ہوگا کیا بامعنی بات کہی ہے "کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰن"۔

یعنی قرآن آپکا خلق تھا اور وہی آنحضرت کے فطرتِ سلیم کی تصویر ہے ؎

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

گویا تعلیم قرآنی ایک ترجمہ فی الاعمال چاہتی ہے اور یہ بات آنحضرت کی زندگی سے ظاہر ہے جس میں ہر طرح کی وسیع القلبی اپنا جلوہ دکھلا رہی ہے ؎

بہارِ عارض وعکس رخش چو شنے زد وگل شد
فغان از سینہ ام برخاست شکل لیست و بلبل شد

تمام بڑے مذہبی پیشواؤں میں جنہوں نے بنی نوع انسان کو تعلیم و تلقین کی ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ایسی ہستی ہے جو کہ ایک صاف اور بین تاریخی کرکٹر کہلائی جا سکتی ہے آپ جملہ اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کے مخزن ہیں آپ کی نبوت کے زمانہ کے چھوٹے سے چھوٹے حالات اور واقعات بھی آپ کے ہمعصر ہمارے لئے لکھ کر چھوڑ گئے ہیں اور قرآن شریف ویسا کا ویسا ہی محفوظ ہے جیسا کہ اوسوقت تھا اوسنے اپنی سادگی اور شان کو بدستور برقرار رکھا ہے۔

حاصل کلام جس قدر سچے پروفیسر روحانیت کے آئے وہ موحد تھے اور توحید اونکی پہلی تعلیم تھی بس یہی اصلی اور نقلی پیغمبروں کی پہچان ہے جو پروفیسر توحید کا قائل نہ ہوا اوسنے گڑ بڑ کرکے خدائے واحد کے مذہب اور صرف اوس مذہب کو جو دنیا میں ایک ہونا چاہئے تھا معجون مرکب بنا دیا۔ مسلمان اپنے عقائد اور خیال کے مطابق صحیح طور پر سمجھے ہوئے ہیں کہ آخری سبق روحانیت کا اونکے نبی آخرالزمان نے اودن تک پہنچا دیا ہے اور وہ ماسٹر روحانیت کہلائے جانے کے لئے قطعی طور پر مکمل ہے اور کسی ایک حرف سے بھی کوئی اسنے بڑھانے

کی ضرورت پیش نہیں آئی یہی ثبوت اس بات کا ہے کہ وہ خدا کا کلام ہے اور جو چیز خدا کی طرف سے ہوتی ہے وہ جامع مکمل اور اپنی صفات اور خصوصیات میں لاثانی ہوا کرتی ہے پس قرآن مجید اپنی وضع قطع اور رنگ و بو میں جیسا ہونا چاہئے تھا ویسا ہی نرالا ہے - قرآن کا یہ دعویٰ کہ اوسمیں تمام امورات دین ودنیا کے موجود ہیں ظاہر ہے کہ اس جسامت پر اختصار سے کام لیا گیا ورنہ معمولی عمر والے اوسکو ختم بھی نہ کرسکتے اور تمام کام دنیاوی محض اوسکی تعلیم کی خاطر معطل کردینے پڑتے - اُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ - مسلمان وہی ہیں جو کہ اپنے پروردگار کے بتلائے ہوئے راستہ پر قایم رہتے ہیں اور وہ یقیناً کامیاب ہونگے -

اللہ کی ذات کی طرف اوسکی تلاش میں پروانہ وار دوڑو صفات میں کیوں اولجھتے ہو - آج ہزاروں قومیں اس کرہ زمین پر آباد ہیں لیکن کوئی ایک قوم بھی اس سے منکر نہیں خدا کے بھیجے ہوئے روحانی ڈاکٹر تعلیم و تلقین کی غرض سے اس دنیا میں آئے صرف الفاظ کے اولٹ پھیر کا فرق ہے کوئی اونکو اوتار رکھتا ہے کوئی رسول اور پروفٹ وغیرہ حالانکہ مفہوم سب کا ایک ہی ہے -

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ

چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

اس کوڈ کی بدولت ایک مسلمان سہل الاصول طریقوں سے روحانی ترقی کے تمام وکمال مدارج طے کرسکتا ہے اور اوسکی تمام دنیاوی مشکلات اور پیچیدگیاں اسی سے حل ہوجاتی ہیں خواہ زمانہ کتنی بھی ترقی کرجاوے خواہ سائنس کتنی بھی ترقی کرجاوے اور علوم وفنون کو کوئی درجہ بھی حاصل ہوجاوے یہ ایک قدم بھی پیچھے نہیں رہ سکتا - اس کی جانچ متعلقہ موقعوں پر کیجا چکی ہے - مثلاً ایک مرتبہ

امام حسن علیہ السلام سے حاکم شام نے سوال کیا کہ حضرت میری اور آپ کی ڈاڑھی کا بھی کہیں ذکر آیا ہے آپ نے فرمایا کہ بیشک ہے اور وہ آیۃ پڑھکر سنا دی اسکے علاوہ اکثر لوگ ایسے بھی گذرے ہیں جنہوں نے سوائے آیۃ قرآن پاک کے دیگر الفاظ سے گفتگو کرنا ترک کر دیا تھا اور ہر امر کی بابۃ وہ بلا تکلف آیۃ قرآن پاک سے جواب دیتے تھے مثلاً جناب فضہ رسول اللہ صلعم کی صاحبزادی کی خادمہ تھیں جنکا تمام عمر یہی ورد رہا۔

پس جنکا عمل احکام الہی پر رہا اور یہ سیدھا راستہ اختیار کیا اون کو زندگی میں مطلق پیچیدگی واقع نہ ہوئی۔ وہ ہنسی خوشی آئے مطمئن رہے۔ اور فارغ البال خندہ پیشانی سے رخصت ہو گئے اور جنہوں نے اسکے خلاف کیا وہ انواع اقسام کی پیچیدگیوں میں مبتلا رہے۔

میرا خطاب کسی خاص فرقہ یا گروہ سے نہیں ہے بلکہ میں اپنے بھائیوں کو ہی مخاطب کرکے کہتا ہوں کہ ان معنوں میں آج کتنے مسلمان ایسے ہیں جو حقیقت میں روحانیت کا دعوی کر سکتے ہیں اور کتنے ایسے ہیں جو شیطنت کے دائرہ میں چکر لگا رہے ہیں۔ اسکا اندازہ کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا بلکہ خود ہی ہر شخص آسانی سے کر سکتا ہے کہ آیا واقعی وہ پابند مذہب ہے یا محض ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنے والا ہے ؎

خدا زاں خرقہ بیزار است صد بار
کہ صد بت باشدش در آستینے

(یعنی خدا اوس گدڑی سے سخت بیزار ہے جسکی آستین میں سو بت چھپے ہوئے ہوں) ایک مشہور قصہ ہے کہ ایک مرتبہ نوربائی کا ئن جسے اپنے حسن و جمال خوش آوازی بذلہ سنجی اور صاحبت کی عمدہ لیاقت کے سبب محمد شاہ کی قربت کا

درجہ حاصل کر لیا تھا ایک روز نواب روشن الدولہ کے ہاں بیٹھی ہوئی ہنسی چہل کی باتیں کر رہی تھی اتنے میں میراں سید بھیک صاحب کی سواری جن سے نواب کو عقیدت تھی آپہونچی۔ نواب نے بائی کو دوسرے کمرے میں بٹھا کر چلمن چھڑوادی میراں صاحب آئے اور اتفاق سے بہت دیر بیٹھے رہے بائی جو ایک چلبلی اور بے چین عورت تھی تنہائی میں بیٹھنے کی تاب نہ لاسکی اور باہر نکل آئی شیخ کے حضور میں جُھک کر آداب بجالائی اور عرض کیا کہ اگر لونڈی کو حکم ہو تو کچھ گاکر سنائے میراں صاحب سماع کے عاشق تو تھے ہی خاموش ہو گئے بائی نے اونکی خاموشی کو اجازت سمجھ کر یہ رباعی عمر خیام کی نہایت سوز و گداز سے گائی ؎

شخصے بہ زن فاحشہ گفتا مستی　　ہر لحظہ بدام دگرے پابستی
زن گفت چنانکہ می نمایم ہستم　　تو نیز چنانکہ می نمائی ہستی

شیخ کی حالت اِس برمحل رباعی کو سن کر کچھ ایسی متغیر ہوئی کہ بائی کو اپنی جسارت پر نادم ہونا پڑا اور باوجودیکہ بائی کو اسوقت خاموش کر دیا گیا تھا مگر شیخ کی شورش کسی طرح کم نہ ہوتی تھی اور یہ عالم تھا کہ مرغ بسمل کی طرح زمین پر لوٹتے تھے اور دیواروں سے سر ٹکراتے تھے ؎

با خرابات نشینان ز کرامات ملاف
ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد

حاصلِ کلام بجائے اسکے کہ ہم اپنی حسن صورت اور سیرت کا اندازہ کسی دوسرے کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو سنکر کریں زیادہ آسان اور صحیح معیار یہ ہے کہ ہم اپنے اعمال کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ۔

اعمال نیک ہیں تو زمرد کے ہیں قصور بہ خدمت کو لونڈیوں کی طرح دست بستہ حور اور ہیں عمل بُرے تو ہوئی آخرت خراب بہ ایذائیں طرح طرح کی اقسام کے عذاب

حق کو جو نا پسند ہو تف ایسے کام پر
مالک ہی خوش نہیں ہے تو لعنت غلام پر

افلاطون کا قول ہے کہ انسان کو اپنی صورت اپنے دل کے آئینہ میں دیکھنی چاہئے اگر فی الواقع اچھی ہو تو بدعملی اور بدخلقی کو اس میں شامل نہ کرے اور اگر بُری ہو تو دو بُرائیوں کو ایک ہی جگہ جمع کرنا بُرا سمجھے۔

رہی زبانی بات چیت یا جھوٹے ڈھکوسلوں کی ظاہری اور نمایشی تعلیم و تلقین بخدا یہ سب کچھ بلبل کے ترانون اور سندباد جہازی کے افسانوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ اصلیت یہ ہے کہ اونکا مکّار نفس راہ راست پر چلنے کی اجازت ہی نہیں دیتا اور جس قدر وہ اپنے آپ کو روحانیت کے قریب ظاہر کرتے ہیں اوسی قدر اوس سے دور ہو جاتے ہیں۔ جب اللہ رب العالمین نے ہمارے جسم کو ایک مکمل اور کارآمد مشین بنا دیا ہے پس ان کل پرزون کے بیجا استعمال سے ہماری مثال ایک بھوت کی کیوں نہ سمجھ لی جاوے گو جسم پر بظاہر گوشت لدا ہوا ہے۔

فی زمانہ نفسانیت روحانیت پر غالب ہو گئی۔ پیری مریدی کھیل تماشہ ہو گیا بزرگوں کی عزت رسماً باقی رہگئی عقائد میں آسمان زمین کا فرق۔ طبیعتوں میں خود رائی کچھ ایسی سمائی کہ کام کی بات سننا بھی طبع نازک کے لئے بار خاطر ہے جواب ملتا ہے کہ یہ تو ہمیں معلوم ہے "لیکن برادرمن محض معلوم ہونا کافی نہیں ہے عمل کی بھی ضرورت ہے ؎

یا مکن با پیل بانان دوستی	یا بنا کن خانۂ در خورد پیل
یا بنہ بر خود زمہ صد گم کُنی	یا منہ پا اندرین رہ بیدلیل

دنیاوی امتحانات پاس کر لینا کچھ بڑی بات نہیں لیکن عنقریب جو امتحان آخرت ہونا والا ہے خدا اوسکی لاج رکھے اور وہ انسان کے محض اعمال

ہونگے دیکھ نہ لیجیے کہ علم اور عمل میں محض الفاظ کی اُلٹ پھیر ہی کا تو فرق ہے لیکن بلا عمل کے علم کسقدر بے معنی چیز ہے۔ علم کے معنی کون نہیں جانتا کہ جاننے کو کہتے ہیں اور عمل کرنے کو کہتے ہیں پس اگر کوئی شخص عمل نہ کرے تو یہ خیال کر لینا بیجا نہ ہوگا کہ اوسے جانا ہی نہیں۔ حکیم جالینوس کا قول ہے کہ ضرر کرنے والی چیزوں سے پرہیز کرنے والے تھوڑے ہیں اور جو چیزیں ضرر کر چکی ہیں اونسے شفایاب ہونے کے خواہشمند بہت ہیں۔ اس مسئلہ کی حقیقت معلوم کرنے کی غرض سے ہمیں اسکولوں میں جا کر دیکھنا چاہئے کہ معیار تعلیم کیا ہے کیا کبھی اسکول میں طالب علموں کو یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ محض علم کے معنے مادیات کی ماہیت جاننے کے نہیں ہیں بلکہ جو رشتہ اور سلسلے اور خالق کے درمیان ہے اسکو بھی جاننے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے اس میں مذہب و ملت کا کوئی سوال ہی نہیں کیونکہ روحانی تعلیم خواہ کسی مذہب و ملت کی ہو کبھی غلط راستہ نہ بتلائے گی بلکہ وہ کسی اچھی بات کے سیکھنے اور عمل کرنے کی طرف متوجہ کرے گی۔

ایک مرتبہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ بیٹی اِس گھمنڈ میں مت رہنا کہ میں رسول کی بیٹی ہوں عمل کرنا کیونکہ بلا عمل کے کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے۔

یہ بچپن ہی کی ایک ایسی تعلیم ہے کہ جسکا اثر بڑھاپے تک قائم رہتا ہی اور اوسکے نیک و بد اعمال آخرت میں اوسکے ساتھ جاتے ہیں لیکن ہمارے مذاق اور طبیعتوں کی گوناگونی کا کیا علاج۔ نو عمر بچوں کو روحانیت کی تعلیم کی طرف متوجہ کرنے کے بظاہر کون سے اسباب ہیں کتابوں کی یہ حالت اخبار اور رسالوں کی وہ حالت۔ ماں باپ کے عام مذاق کی کچھ اور ہی حالت ہے، پس اِن اسباب ظاہری سے کیا یہ توقع ہو سکتی ہے۔ کہ ہماری اولادیں شاہراہ ترقی میں قدم رکھنے کے ساتھ تعلیم روحانی سے بھی

آراستہ پیراستہ ہونگی۔
کیا یہ مسئلہ دنیا کو پیچیدگی میں ڈالنے والا نہیں ہے کہ ایک کم عمر بچہ جو کچھ اپنے والدین
معلموں اور اسباب گردوپیش سے سیکھ رہا ہے وہ اوسکی روحانی زندگی کے
واسطے بھی کوئی کارآمد بات ہے کیا اونکو اسبات کے جاننے کی ضرورت ہے کہ یہ
دنیا عالم دارالعمل ہے اور عالم آخرت دارجزا ہے پس جو کچھ ہم یہاں کرینگے اوسکا
عوض وہاں ضرور پاوینگے۔ امیرسن کا قول ہے کہ وہی انسان جو ہر چیز کو جانتا ہے
اپنے نفس سے بے خبر ہے۔
ناظرین سے التماس ہے کہ بچوں کی اصلاح اور تعلیم روحانی کے مقصد کو
جو اس ناچیز کتاب کا لب لباب ہے ہر جگہ ملحوظ رکھیں ورنہ مضمون خبط اور کتاب
بے معنی ہو جاوے گی۔
نو عمر بچوں میں پیدائش کے وقت گو تمام وہی قوتیں پائی جاتیں ہیں جو ایک
زیادہ عمر والے شخص میں ہونی چاہئیں لیکن بعض ان میں اس قدر کمزور ہوتی ہیں
جنکی بابت عام طور پر نہ ہونے کا گمان ہوسکتا ہے یہ خیال ایک حد تک اسوجہ سے
غلط نہیں معلوم ہوتا کہ پیدا ہوتے ہی بچے کو بھوک پیاس کی خواہش ہوتی ہے۔
اوسکو کڑوی میٹھی چیزوں کا بھی کم وبیش احساس ہوتا ہے وہ دیکھتا سنتا اور
کچھ نہ کچھ سمجھتا بھی ہے اوسکو تکلیف وراحت کا بھی احساس ہوتا ہے اگرچہ عام
فہم الفاظ میں نہ سہی لیکن رو رو کر وہ دودھ بھی مانگتا ہو ماں باپ کی نرم گرم بات کا بھی
اوسپر فوری اثر ہوتا ہی آنکھ کو محفوظ رکھنے کی غرض سے وہ پلک کو بھی جھپکاتا ہے۔
یہ تمام حالتیں نہ صرف انسان بلکہ جانوروں میں بھی پائی جاتی ہیں وہ بھی اپنی
حفاظت کی غرض سے دوست دشمن کی حرکات میں بخوبی تمیز کر لیتے ہیں۔ گرمی
سردی بھوک پیاس اور جسمانی پرورش کی طرف بھی وہ خاص طور پر متوجہ

رہتے ہیں۔
غرضکہ انسان پیدائش کے ساتھ ہی جملہ قوتیں اپنے ساتھ لاتا ہے جو کہ شروع
میں کمزور ہوتیں ہیں لیکن عمر اور واقعات کے ساتھ۔ ان میں بتدریج پختگی بالیدگی پیدا
ہوتی جاتی ہے۔ کل بچے اپنی فطرت پر پیدا ہوتے ہیں۔ کُلُّ مَوْلُوْدٍ عَلَے
الفِطْرَۃِ۔

دودھ پیتی عمر سے لیکر بڑھاپے تک اگر عمر کے حصے کئے جاویں اور خصائل
انسانی کی کافی طور پر جانچ کیجاوے تو پہلا زمانہ چار سال دوسرا آٹھ سال
کی عمر کا خاص طور پر توجہ اور نگرانی کے قابل ہوتا ہے۔ شاہ راہ ترقی میں
قدم رکھنے یا برائی کی طرف مائل ہونے کا یہی ابتدائی زمانہ ہوتا ہے۔
مثلاً ہمیں بعض دودھ پیتے بچے ایسے ملیں گے جنکی بدعادتوں کے متعلق
اگر شروع میں اور زیادہ نہیں تو یہی شکایت ہوگی کہ ان میں بعض روتے بہت ہیں
یا ضدی اور غیر معمولی طور پر شریر ہیں پس سمجھ لینا چاہئیے کہ یہ نوعمر انسان ابتدائی
زمانہ سے ہی اصول زندگی کے واسطے ایک معیار قایم کرلیتا ہے مثلاً کوئی بچہ
ضد اور غصہ سے اپنی مطلب براری کرتا ہے کوئی عاجزی اور انکساری سے
کام دونوں طرح پر نکل جاتا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کون صورت ان میں اُصولاً
بہتر اور مناسب ہے گو یہ بچہ اپنے والدین کو ابتدا ہی سے موقع دیتا ہے کہ وہ اسکی
اصول زندگی میں اصلاح کرتے رہیں۔ بچے کا مفہوم سمجھنا تو زیادہ دشوار بات
نہیں ہے لیکن دیکھنا تو یہ ہے کہ بچے کی خواہش اور اظہار خیالات کا جو ذریعہ
اوسنے اختیار کیا ہے وہ آگے چل کر اوسکے مزاج اور عادات کو تو بدنما سانچے
میں نہیں ڈھال دیگا کیونکہ وہ شاہ راہ زندگی میں خود ہی اپنا قدم آگے بڑھاتا
ہے اسلئے کسی بچے کا بیرون چلنے لگنا در اصل اوسکے والدین کو ہوشیار

اور خبردار بنا دینے کی ایک قدرتی اور عمدہ علامت ہے - اونکو سمجھ لینا چاہیے کہ ایسا بچہ جو آج زبان سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ ادا کر رہا ہے کوئی اچھی یا بری بات کل ضرور اوسکی زبان سے ادا ہوگی - اسی طرح پر جو بچہ کہ پیروں چلنے لگا ہے اگر اوسکو ٹھیک راستہ پر نہ چلایا گیا تو ممکن ہے کہ وہ اپنی خود پسند چال سے غلط راستے کو اختیار کرے اور اپنی بے ڈھنگی چال سے کسی گڈھے میں گرکر اپنے جسم اور روح کو معرض خطر میں ڈالدے - اسی طرح پر وہ بچہ جو کچھ سنکر سمجھنے کے قابل ہو گیا ہے اگر گمراہ کرنے والی باتیں اوسکے کان تک پہونچنگی تو ظاہر ہے کہ وہ اسی طرف مائل ہو جاویگا - چونکہ وہ ابتدائی عمر میں قوت نفسانیہ اور حیوانیہ کا غلبہ ہوتا ہے اسی وجہ سے ایک بچے کو دوسرے بچے کی چیز توڑ ڈالنے یا چھین لینے میں مطلق تامل نہیں ہوتا ہے اور وہ نہایت آسانی سے اسی قسم کی اور بہت سی مکروہ حرکتیں کرگذرتے ہیں جنکو زیادہ عمر والے بچے معیوب خیال کرتے ہیں - ان بچوں کی حالت بعینہ اون مویشیوں کے مشابہ ہوتی ہے جو دوسرے مویشی کا چارہ کھا لیتی ہیں -

بس سمجھ لینا چاہیے کہ یہی پیروں چلنے اور بات کرنے کا ٹھیک وہ زمانہ ہوتا ہے جبکہ اس نئے انسان کو دنیا کی خوشگوار ہوا اوسکو بے پر کے اوڑا لیجانے پر مائل کردیتی ہے وہ اپنی تمام قوتیں جو اپنے ساتھ لایا ہے اس کام میں صرف کردیتا ہے کہ جو کچھ وہ دیکھے اوسکو سیکھے اور بعینہ اوسکی نقل کرے جو کچھ وہ سنے اوسکو اپنی زبان سے ادا کرنے کی کوشش کرے اوسکی مثال اوس طوطے کی سی ہے جسکو ولایت میں ایک شخص نے چوری کرنا سکھلایا تھا اور اس طرح پر وہ چھوٹی چھوٹی چیزیں اپنی چونچ میں دبا کر اپنے مالک کے پاس لیجایا کرتا تھا اوسکی مثال گراموفون باجے کے مطابق ہوتی ہے کہ اوس میں بھی جس قسم کی آواز کا مشق پلیٹ پر

ہوتا ہے اوسی طرح کی آوازیں باجہ میں سے نکلتی ہیں سہ

طفل مکتب کہ سخنہا ز زباں میگویند   شکوہ کم کن کہ چنین گفت وچناں می گویند
طبع او نو گراف ست وسرودش سبقست   آنچہ بستند بر و نقش ہماں می گویند

غرضکہ یہ دیکھنے اور سننے کے نقوش اوس بچے کی کمزور طبیعت پر جو شروع میں مثل آئینہ کے صاف شفاف ہوتی ہے کچھ ایسے گہرے ہوجاتے ہیں کہ زیادہ عمر ہوجانے پر بھی اونکا مٹنا آسان نہیں ہوتا بس اسی کا نام نیک وبد عادت ہے جو طبیعت ثانیہ بنجاتی ہے۔ کیا آپ نے کسی بوڑھے آدمی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ "اب بوڑھاپے میں کیا خاک عادت چھوٹ سکتی ہے۔ عادت اور وہ بھی عمر بھر کی عادت "

از ابتدا تا انتہا انسان کی زندگی کسی عادت کی محتاج ہے۔ عادت کے معنے کسی کام کو لگاتار کرتے رہنے کے ہیں۔ کسی ایسے شخص کو جسنے تمباکو نہ کبھی کھایا نہ پیا ہو استعمال کراکر دیکھیے کہ اوسپر زہر سے کم اثر نہیں کریگا لیکن وہی شخص جب اوسکا عادی ہوجاتا ہے تو کیسے مزے لے لے کر اوسکو کھاتا پیتا ہے۔ یورپ کے باشندے جو سرخ مرچ کھانے کے عادی نہیں ہیں اونکو کھلا کر دیکھیے کہ کیا اثر ہوتا ہے اور ہندوستان میں چونکہ ہملوگ اسکے بچپن سے عادی ہیں بلا اسکے کھانا بدمزہ معلوم ہوتا ہے انتہا یہ ہے کہ بعض لوگ سنکھیا کھانے کی عادت ڈال لیتے ہیں اور بلا تکلف کھاتے ہیں میں نے یہ مثالیں اسلئے پیش کی ہیں کہ انسان عادت کا محتاج ہے خواہ وہ اوسکے واسطے کتنی بھی تکلیف دہ اور مضر کیوں نہ ہو۔

بڈھے باسطیل کا ایک مشہور قصہ اس طرح پر بیان کیا جاتا ہے کہ بسٹائل نامی پیرس میں ایک جیل خانہ تھا جس میں قیدیوں کو سخت اذیت دی جاتی تھی فرانس میں جیل خانوں کی اصلاح کا قانون پاس ہونے کے بعد یہ جیل خانہ بھی

مثل دوسرے جیل خانوں کے توڑ دیا گیا جس میں ایک بڈھا باصطیل عرصہ سے قید تھا۔ رہائی کے بعد اوسنے یہ التجا کی تھی کہ مجھے میرے تنگ و تاریک محبس میں پھر بند کر دیا جاوے کیونکہ ایک مدت تک وہاں رہنے سے اون تکالیف کی عادت کچھ ایسی مستحکم ہو گئی ہے کہ میری فطرت اوسکے ترک کرنے سے قاصر ہے حاصل کلام اس نئے انسان کی عمر کا یہ وہ حصہ ہوتا ہے جبکہ اوسکے نگران حال کی ذراسی عدم توجہی اوس ناسمجھ اور ناتجربہ کار کو آزادی سے فطرتاً کسی ایک راستہ کو اختیار کر لینے پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہ عین اوس زمانہ کی ابتدا ہوتی ہے جبکہ قیود و قوانین دین و دنیا میں وہ قطعی طور پر مطلق العنان اور تفکرات ذمہ داری سے اوسکا دماغ پاک ہوتا ہے۔ اوسکو اپنے سامنے عجائبات عالم کا خوشنما باغ لہلہاتا ہوا نظر آتا ہے جس کی گلکاری اور دلفریبی مقناطیسی اثر سے اوسکو اپنا شیدائی اور متوالا بنا لیتی ہے اوسوقت اوس نئے انسان کی بیتابی اور بیقراری سیماب سے کم نہیں ہوتی اور ہر نئی چیز کو دیکھ کر وہ پروانہ وار اوسپر لوٹ کر گرتا ہے۔ اون کھلونوں سے جو اوسکے سامنے پڑے ہوئے ہوتے ہیں اس دنیا کو وہ محض کھیل تماشہ کی جگہ خیال کر لیتا ہے۔ وہ بچپن سے بڑھاپے تک مختلف قسم کے کھلونوں سے کھیلا کرتا ہے اور اسی طرح پر وہ ابتدا میں تو بچہ بنکر حقیقت سے دور رہتا ہے یہاں تک کہ یہ ناتجربہ کار مسافر ایسی بھول بھلیوں میں پھنس جاتا ہے کہ صحیح راستہ ہی نہیں ملتا اور بالآخر ملک الموت ہاتھ پکڑ کر اس اندھے کو گور کے دروازے تک پہونچا دیتے ہیں۔ الغرض یہ ناتجربہ کار انسان کچھ تو خود حقیقت سے دور ہوتا ہے اور کچھ والدین کی اور معلموں کی لاپرواہی اور غفلت گرد و پیش کے اسباب خود بینی اسکی گمراہی کے بڑے سبب ہوا کرتے ہیں وہ مثل ملایم شاخ کے ہوتا ہے کہ جس طرف موڑ دیا مڑ گئی۔ وہ مثل پگھلے ہوئے موم کے ہوتا ہے کہ جس قسم کے

سانچے میں ڈھالا جاتا ہے اوسی صورت میں ڈھل جاتا ہے اور رفتار گفتار سب اوسکے مناسب حال اختیار کرلیتا ہے اس عمر سے لے کر زمانہ شعور کے چند ہی سال بعد جبکہ وہ قوانین دنیا اور آخرت کی مضبوط گرفت میں آجاتا ہے تب اوسکی کسی قدر آنکھیں کھلتی ہیں تب زمانہ سویم کی بسم اللہ شروع ہوتی ہے۔ ایک طرف تو قوانین اوسکی آزادی کو اپنی خوفناک صورتین دکھلا کر روکتے ہیں دوسری طرف اوسکی بدعادتیں اور کھیل تماشے جنکا وہ عادی ہوچکا ہے اوسکی آنکھوں پر حجاب واقع کر دیتی ہیں اور یہ اچانک اس کشمکش میں پڑ جاتا ہے کبھی ایک طرف سے ڈر کر بھاگتا ہے اور نہایت غمگین ہوتا ہے کبھی دوسری طرف ہاتھوں ہاتھ گود میں اوٹھا لیا جاتا ہے اور تسلی تشفی دی جاتی ہے۔

گہ شادم و غمگیں از حال خودم غافل
می گریم و می خندم چون طفل بخواب اندر

الغرض یہ اپنی جدت پسند طبیعت اور روانی خون کے فوری جوش میں جلد اس نتیجہ پر پھونچ جاتا ہے کہ اگلے زمانہ کے بوڑھے کمزور طبیعت قومی اپنی سادگی اور ضعیفی کی وجہ سے چلتے چلتے بیکار ہوگئے ہیں نہ اونکی عقل ٹھیک ہے نہ ہاتھ پیروں میں دم ہے اسلئے وہ کوئی ترقی نہیں کرسکتے اور یہ ایک ہی جست میں آج شام سے پہلی منزل مقصود تک پھونچ جاویگا یہ اس خیال کے ساتھ ہی وہ اپنے آباو اجداد کا راستہ چھوڑ کر ایک نئی پگڈنڈی اختیار کرلیتا ہے۔ اور اپنے نزدیک جدید اصولی راستہ بنا کر اپنی اصلاح کی طرف مائل ہوجاتا ہے ؎

ہمیں گھیرے ہوئے ہیں ہر طرف اصلاح کی موجیں
مگر یہ حس نہیں ڈوبتے ہیں یا ابھرتے ہیں

افسوس اوسوقت اوسپر کسی کی نصیحت کارگر نہیں ہوتی اور نہیں سمجھتا کہ صبح شام

اوسکی ترقی کے منازل ہیں تاوقتیکہ اونکو بتدریج طے نہ کیا جاوے۔ ناممکن ہے کہ اوسکی کمزور جست اونکو یکبار گی معراج ترقی پر پہونچادے اوسکو منزل مقصود بظاہر قریب معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں وہ اسقدر دور ہے کہ اس ناتجربہ کار مسافر کے ملایم اور گھونگروالے بال گرم و سرد ہوا کے ناقابل برداشت جھونکون سے بالآخر سفید ہوجاوینگے اوسکی نرم اور ملایم کھال کھُرکھری اور سخت پڑجاویگی اور دنیاوی نشیب و فراز اوسکی کمر جھکادینگے نہ اوسکے جسم میں یہ توانائی باقی رہیگی اور نہ یہ اُچھل کود ؎

مرغ زیرک نہ شود در چمنش نغمہ سرا

ہر بہارے کہ زدنبال خزانے دارد

(ایک ہوشمند اور دانا چڑیا کبھی اوس چمن کی تعریف میں گیت نہ گاویگی جس کے ساتھ خزاں کا دُم چھلا لگا ہوا ہو)

بچہ کے ماں باپ پیار و محبت کے شکنجہ میں دب کر اس بے خبری میں رہجاتے ہیں کہ ابھی بچہ ناسمجھ ہے ابھی تو اوسکے منھ سے دودھ بھی نہیں چھُوٹا۔ حالانکہ وہ ابتداہی سے ناسمجھی کی منازل کو تدریج طے کررہا ہے وہ اپنے مقام گمنامی سے روانہ ہوکر عالم اسباب کے وسیع میدان میں چکر لگا رہا ہے اور اسی ناسمجھی کی حالت یعنی ماؤنکی گود ستر نرم بستر اور گہوارے ہی میں لیٹے لیٹے اوسنے دو منزلیں بھی طے کرلی ہیں۔ اگر وہ بے خبر ہے تو صرف اس بارے میں کہ اوسنے کسوقت اور کہاں سے چلنا شروع کیا تھا آیا وہ راستہ جسپر کہ وہ بلا پس و پیش دوڑتا ہوا چلا جا رہا ہے صحیح ہے یا غلط۔

یہ لذات دنیوی کا متلاشی اپنی آیندہ موہوم امیدوں اور بیجا خواہشوں کا بھوکا جب کسی مزیدار چیز کو پالیتا ہے تو وہ دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ پکڑ کر

اور منھ اوسمیں گرپڑا کر ہمہ تن اسطرح پر غرق ہوجاتا ہے کہ گویا اوسنے صرف اسی کی تلاش میں اس عالم موجودات میں قدم رکھا ہے اور اوسکی زندگی کا اصلی مقصد اوسکے ہاتھ آگیا - سوائے ماں باپ کے کون ایسا معلم ہے جو مناسب ترکیبوں سے یہ بات اوسکے ذہن نشین کردے کہ یہ دھرتی ماتا جسکی آغوش میں تو نے پرورش پائی ہے نہایت ہی بے مروت ہے جو دیتی ہے وہ چھین لیتی ہے ۔ جو پہناتی ہے وہ اُتار لیتی ہے اور دھکا دے کر ذلیل کرکے ناامید رکھ کر نکال دیتی ہے اور یہ کہدیتی ہے کہ اے نادان تو ساری عمر دھوکے ہی میں رہا یہ تو ایک طلسم قدرت ہے ؎

پرواز خانۂ گردوں بدر و نان مطلب
کیں سیہ کاسہ در آخر بکشد مہمان را

وہ ابھی تک تابیں ئے لرگر اموجون کے نقوش واے را الاپ سیاہ جنگلی ہرن ہے اورجس چال پر ہم اپنی عمر ساتھیوں کو چلتے دیکھتا ہے بجنسہ اوسکے قدم بقدم آنکھیں بند کئے ہوئے اور چلتا کودتا بے تکان اُڑا چلا جاتا ہے نہ اوسکو ٹھوکر لگ کر گر جانے کا خیال ہے نہ ہاتھ پیر ٹوٹنے کا خوف ہے نہ اوسکو یہ معلوم ہے کہ اوسکے سفر کی ابتدا اور انتہا کیا ہے کیونکہ یہ دونوں اوسکے قوت خیال سے کہیں باہر ہیں البتہ تجربہ جو سخت استاد ہے کچھ ہی دور چلکر اوسے آگاہ کردیگا کہ وہ غلطی پر ہے - یہ راستہ جسپر کہ وہ چل رہا ہے گمراہی اور تاریکی سے پُر ہے جب اوسکی واقعی آنکھیں کھلیں گی تو معلوم ہوگا کہ فانی اور عارضی قوت اوسکی عنقریب زائل ہونی والی ہے وہ مجبور مطلق ہے سفر کی تکان بھوک پیاس کی شدت اوسکو بیدم کرکے زمین پر گرادیگی - یہ آزاد خیال اپنی ذہن کا یکتا نو عمر ناتجربہ کار مسافر سمجھے ہوئے ہے کہ میں آزاد ہوں اور ہمیشہ اسی طرح آزاد رہونگا - کیا اوسکا یہ ذاتی خیال ہے

ہے یا گمراہ ساتھیوں کی صحبت کا اثر ہے۔ نہیں بلکہ غالباً یہ والدین کی عدم توجہی کا نتیجہ ہے جو اوسکے دل و دماغ میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

غرضکہ ایک ہی دو منزلیں طے کر چکنے بعد جب تیز دھوپ اور پیاس کی تکلیف اوسکو ستاتی ہے تو توشۂ سفر نہ ہونے کے باعث ناتوان اور کمزور ہو کر سایہ اور امن کی جگہ تلاش کر کے بیٹھ جاتا ہے۔ اوسکو اپنی اس موجودہ حالت اور لفظاً آزادی کے مقابلہ کا یہ پہلا موقع ملتا ہے۔ اس سرسری خیال کے ساتھ ہی اوسکی خوش آئند امیدیں کملائی ہوئی معلوم ہوتی ہیں سابقہ جوش و خروش میں کمزوری کا اثر ہے۔ وہ خیالات کو ہر طرح پر وسعت دیتا ہے لیکن اطمینان قلب کا اوسکے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ وہ مجبوراً اوس آزادی کے سبق کی بدولت جو اوسکو ممی اور پاپا (پانی اور کھانا) کے ساتھ اوسکے حلق سے اوتار گیا ہے وہ طیور۔ چرند۔ پرند پر ایک نیچر پرست بنکر محققانہ نظر ڈالتا ہے جنکو وہ اپنے ذہن میں آزاد خیال کئے ہوئے ہے۔ وہ دل ہی دل میں کہتا ہے کہ کاش بجائے انسان ہونے کے جو بیشمار ذمہ داریوں کے شکار ہیں۔ میں ایک پرند ہوتا۔ میں بلبل ہوتا اور گل کی توصیف میں گیت گاتا۔ شاعر میرے جذبات سے اپنے اشعار کو زیب دیتے عشق مجسم ہوتا گل کو دیکھکر جیتا اور اوسی کے فراق میں مرتا یہ دونوں حالتیں مزیدار ہیں اور وقت خوب گذرے

بلبلی برگ گل خوش رنگ در منقار داشت
واں دراں برگ نوا خوش نالہ ہائی زار داشت
گفتمش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست
گفت مارا جلوۂ معشوق در این کار داشت

اتنے ہی میں وہ ایک صیاد اور شکاری جانور کو اوس بلبل کی تاک میں بیٹھے

دیکھتا ہے جو اچانک اوسکو پکڑ کر اور پر و بال نوچ کر کھا جاتا ہے یہ عبرت ناک
منظر دیکھکر اوسکی آنکھیں کسی قدر کھلتی ہیں اور مایوسی کے دریا میں تھوڑی دیر کے
واسطے غرق ہو جاتا ہے۔ پھر نباتات کی طرف اوسکا خیال جاتا ہے اور پھولوں کا
ایک گلدستہ بناکر اوس سے دلکو تسکین دیتا ہے کہ کاش میں پھول ہوتا نزاکت
رنگ و بو کے ساتھ میرے چھانٹنے والے ہوتے میں باغ میں بہار ہوتا اور ہوا کو معطر
کرتا۔ میں مالن کی ٹوکری میں ہوتا اور بازار میں بکتا لوگ میری خوشنمائی اور بو باس
کے شیدائی ہوتے اور ہاتھوں ہاتھ خرید کرتے حسینوں اور مہ جبینوں کے ہار میں گوندھا جاتا
اور عروسی کے سیج مجھسے سجائی جاتی کبھی اونکے کانوں کی آویزاں میں لٹکتا اور
حسن کو دوبالا کرتا۔ عشاق کی نگاہوں کو اپنی طرف مائل کرتا اور محفلوں میں
اعلیٰ جگہ ملتی۔ لیکن افسوس میں تو کچھ بھی نہیں۔ اس سائنس کے دعوے کو
کیونکر مانوں کہ کائنات عالم کے ذرے میں کشش ہے میں تو بحالت موجودہ
کسی چیز کو بھی اپنی طرف مائل نہیں پاتا ہوں۔ میری آرزو اور امیدیں خود ہی
بے شمار ذرات کی مصنوعی شعاعوں کی طرف مجھے کھینچکر لئے جا رہی ہیں۔
اونکی دل آویزیوں کا شکار ہو رہا ہوں۔ مجھ میں تو مطلق کشش نہیں۔ نہ رنگ
نہ نزاکت نہ بو باس۔ میرا جسم جو خوشنما پردوں میں چھپا ہوا ہے اگر خوردبین سے
دیکھا جاوے تو نہایت بدنما اور داغدار ہے اور جو کثافت اوسکے اندر بھری پڑی ہے
وہ تو یقیناً ناقابل اظہار ہے۔ کاش میں کلی سے پھول ہوتا اور امن و امان سے
اس تماشا گاہ عالم کی سیر کرتا۔

یہ دل میں باتیں کرتے کرتے اوسکی نگاہ ایک ایسے پھول پر پڑی ہے
جسکی پتیاں مرجھا کر خشک اور بدنما ہو گئیں ہیں اور انہیں میں سے کچھ خشک ہو کر
زمین پر گر گئے ہیں نہ ان میں وہ دلربائی کی شان باقی ہے نہ وہ رنگت نزاکت

اور بو باس اوسکو اس طرف سے بھی مایوسی ہو جاتی ہے وہ بخوبی سمجھ لیتا ہے کہ اگر میں پھول ہوتا تو اسی طرح ایک روز زمین پر گر جاتا اور خاک میں مل کر فنا ہو جاتا ۔

باسی پھولونکی کہانی

ہار کملائے ہوئے باسی پڑے تھے اکطرف ؛ با زبان حال می کردند این مطلب ادا
دیدۂ عبرت سے دیکھیں سب ہمارا حال زار ؛ پہلے کیا تھے ہم ہماری قدر کیا تھی اب ہیں کیا
باغباں کی کوششوں سے اور امیدوں کے ساتھ ؛ پہلے کلیوں سی ہوئی شاخوں میں اپنی ابتدا
پیارے پیارے خوبصورت خوشنما غنچے تھے ہم ؛ تھا گماں ہر ایک کو ہم پر دہان یار کا
تھی قیامت سادگی سو شوخیاں جسپر نثار ؛ تھی کھلے سیم تن دوشیزۂ ناکتخدا
تازگی اوسکی چمک گلگونہ رنگ شباب ؛ دیکھنے والوں کے دلسے پوچھیے اسکا مزا
موسم گل کے سبب سے تھا نمو ہر چیز میں ؛ اسلئے لحظہ بلحظہ اپنا قد بڑھتا گیا
دست گلچیں خود بخود جنبش میں آنے لگا ؛ یہ ہماری خود نمائی نے اثر پیدا کیا
مالیوں نے قدر دانی کے لئے توڑا ہمیں ؛ اپنی شاخوں سے جدا ہونا نہایت شاق تھا
خشک ہو جاتے اگر رہتا نہ کوئی قدر داں ؛ خیر قسمت مختصر اوسنے ہمیں یکجا کیا
رشتۂ الفت میں ہم سب اک جگہ گوندھ گئے ؛ لطف یکجائی جو پہلے تھا وہی حاصل ہوا
حسن خوبی خوشنما ترتیب جب آئی نظر ؛ بوسہ لینے کو بڑھی کس شوق سے باد صبا
کھلکھلا کر ہنس پڑیں کلیاں مہک پیدا ہوئی ؛ مشک کا نافہ دہان یار کی صورت کھلا
جنکا غنچہ نام تھا اونکو اب گل کہنے لگے ؛ ہوگئی وہ تھوڑی ہی مدت میں دیکھو کیا سے کیا
خوشنما پہلے سے تھے وہ باس اب پیدا ہوئی ؛ دل فریب و دلربا تھے ہو گئے فرحت فزا
مہ جبینوں تک پہونچنے کا نہایت اشتیاق ؛ خوبیٔ تقدیر سے آخر ہمیں موقع ملا

سول ہمکو لیلیا ایک نوجوان نے دیکھکر ؛ عشق اور جوش جنوں جسکے گلے کا ہار تھا
تھا ضرورت سے زیادہ شاد یہ رنگین مزاج ؛ کھو رہا تھا صاف آشنا ہے سپید ... یار کا
تھا عیاں اوسکی نگاہوں سے بلا کا اشتیاق ؛ سامنے کیا پیاری امیدوں کا تھا آشنا نتیجہ
تھا وہ نوشہ پہلی شب تھی گھر میں آئی تھی دلہن ؛ وہ عروس سر اٹھا تھی حسن خود آ سپہر قدا
بام تھا خلوت کدہ حسرت نکلنے کی جگہ ؛ تھی دلہن اوسپہ عروس جبیں خود بام تھا
جتنی چیزیں تھیں وہاں سب سادہ سادہ پاک صاف ؛ واہ کیا صاف فرش سایۂ مہتاب تھا
ایک ہلکی سی مسہری اوسپہ ایک زہرہ جبیں ؛ سرو قامت سیم تن گل پیرہن ناز و ادا
تھا عرق اوسکی جبین پر شرم سے آنکھیں تھیں بند ؛ شوخیوں سے بھی زیادہ دلربا انداز تھا
اوس پسینہ سے کھلا تھا اور بھی رنگ شباب ؛ ایک تو کندن اور اوس کندن پہ ایک تازہ جلا
تہ تھی اوس حسن پر پردہ شرم اوسکی خاموشی ؛ سحر تھی نیرنگ تھی افسوں تھی یہ اوسکی ادا
جی میں آتا تھا کہ خود اوڑ کر گلے میں جا پڑیں ؛ اتنے میں وہ نوجوان لایا تھا جو ہمکو اوٹھا
پہلے دیکھا روئے گلگوں کی طرف بہ شوق سے ؛ لے لئے دو چار بوسے اور ہمیں پہنا دیا
سب سے پہلے ہم ہوئے اوس گلبدن کے ہمکنار ؛ سب سے پہلے ہمنے لوٹا اوسکے جوبن کا مزا
زینت آغوش تھے ہم اور سینے کی بہار ؛ رنگ کھلتا تھا کہ سونے میں سہاگہ ہو لیا
ہمکناری کی کشش نے یہ ستم ہم پر کیا ؛ دب گئے پس پس گئے ہم پر نہ کچھ منھ سے کہا
بھول جائے لاکھ کوئی یاد ہوگا ماہ کو ؛ کیا ہوا برتاؤ ہم سے اور ہم نے کیا کیا
رات بھر ہمنے اوٹھایا لطف جب آئی سحر ؛ اور ہم میں سے ہر ایک مل دل گیا کملا گیا
توڑ کر پھینکا گلے سے اور کچھ پروا نہ کی ؛ یہ گلے کا ہار تھا اسکو جدا ہم نے کیا
وہ تو کتنے خادم تھے قدردانی اتنی کی ؛ اپنے جوڑے سے لپیٹا یہ کرم ہم پر کیا
الغرض خوشبو رہی جب تک ہماری قدر تھی ؛ ہم ہیں اور ہے یہ زمین کوئی نہیں اب پوچھتا
ہاے دیکھو تھوڑی ہی مدت میں کیا کیا انقلاب ؛ رنگ ہی متغیر ہے اس عالم ایجاد کا

خشک ہوجائینگے بالکل جب پڑیگی سخت دھوپ ٭ آنے والا وقت بد ہے اور بھی اسکے سوا

اب پڑے ہیں خاک پر ملجائیں گے پھر خاک میں
ہونیوالا ہے یہی ایک دن نتیجہ عیش کا

پس معلوم ہوا کہ ذرات عالم متحرک اور ترقی کی طرف مائل ہیں اور ہر ترقی تنزل کی ابتدائی منزل ہے اور نتیجہ یہی ہے یہ جملہ اشیا فانی اور محض دہوکا ہی دہوکہ ہے

ہر کہ آمد بجہان نقش خرابی دارد
در خرابات مپرسید کہ ہشیار کجاست ،

اسکے بعد یہ ناتجربہ کار مسافر گھبرا کر پھول کو پھینکدیتا ہے اور کہتا ہے کہ افسوس میری عمر اسوقت تک رائگان گئی اور مایوسی مجھے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ میرے ساتھی قافلے والے حقیقت میں ناعاقبت اندیش اور گمراہ تھے جنکی صحبت نے مجھے بھی گمراہی کے دریا میں غرق کردیا ہے۔

کروں کیا غم کہ دنیا سے ملا کیا ٭ کسی کو کیا ملا دنیا میں تھا کیا
یہ دونوں مسئلے ہیں سخت مشکل ٭ نہ پوچھو تم کہ میں کیا اور خدا کیا

رہا مرنے کی تیاری میں مصروف ٭ میرا کام اور اس دنیا میں تھا کیا
وہی صدمہ رہا فرقت کا دل پر ٭ بہت روئے مگر آخر ہو کیا
وہاں قافلے یاں بت پرستی ٭ ذرا سوچو کہا کیا تھا کیا کیا
تمھارے حکم کے تابع ہے دنیا ٭ تمھیں سوچو برا کیا اور بھلا کیا

"میں آزاد نہیں ہوں"

ہر بہار کو خزاں اور دنیا کے تمام قسم کے لطف عارضی ہیں۔ ہم واقعی مسافر ہیں اور ہر وقت سفر میں ہیں۔ پھر جب یہ صورت ہو تو آزادی کیسی اور ایک مسافر

کے لئے راحت و آرام کیا ہے

مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چون ہر دم
جرس فریاد می دارد کہ بربندید محملہا

یہ ہمارے قلب کی حرکت جو باعث زندگی ہے ہر ہر سکنڈ پر اپنی حرکت سے دھکڑ بجا کر ہمیں برابر آگاہ کر رہی ہے اوسکا یہ مطلب ہے کہ اے مسافر تو سفر آخرت کی تیاری میں ہر وقت مصروف رہ یہ ظاہرا عارضی قیامگاہ ہے اور عنقریب یہاں سے بھی کوچ کرنا ہے یہ نہ دائمی قیامگاہ اور نہ یہاں کی خوشی کو استقلال ہے ہے

عیاں نشد کہ چرا آمدم کجا بودم
دریغ و درد کہ غافل ز کار خویشتنم

ان خیالات میں غلطاں و پیچاں کبھی یہ ناتجربہ کار مسافر عالم خیال میں غرق ہو جاتا ہے اور مایوس باہر آتا ہے۔ کبھی دنیا کی دل آویزوں میں محو تماشہ ہو جاتا ہے لیکن تسکین قلب حاصل نہیں ہوتی کہ اتنے میں ایک غیبی آواز اوسکو ہوشیار کر دیتی ہے ہے

غم جہاں مخور و پند من مبر از یاد	کہ ایں لطیفہ لغزم ز رہروی یاد است
رضا بدادہ بدہ وز جبین گرہ بکشائے	کہ بر من و تو در اختیار نہ کشاد است

(جہان کا غم مت کھا اور میری نصیحت کو مت بھلا کہ یہ نادر لطیفہ مجھے ایک سالک کا یاد ہے کہ جو ہو جائے اوسپر راضی رہ اور چیں بجبیں مت ہو کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے اور اختیار کا دروازہ نہ تجھ پر کھلا ہے اور نہ مجھ پر) ہے

نشان عہد و وفا نیست در تبسم گل
بنال بلبل مسکین کہ جائے فریاد است

دگل کے مسکرانے میں محبت اور وفا کا نشان مطلق نہیں ہے۔ اے مسکین بلبل گریہ وزاری کرکہ فریاد کی جگہ ہے) وہ اس آواز کو سُنکر پھر سرنگون ہو جاتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد آنکھ کھولکر کیا دیکھتا ہے کہ چند پورانی وضع قطع کے بوڑھے بانس کی لمبی لاٹھیاں ٹیکے ہوئے اوسکے گرد جمع ہیں۔ اکثر ان میں سے بنظر ہمدردی اپنی پورانی وضع کی جھولیوں اور مٹی کی صراحیوں سے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے نکال کر کچھ کھانا اور سرد پانی اوسکے حلق میں ڈال رہے ہیں۔ اور بعض ان میں سے حالت وجد میں یہ شعر پڑھ پڑھ کر جھومتے جاتے ہیں ؎

حضوری گر ہمی خواہی ازو غائب مشو حافظ
متیٰ ما تلق من تھوی دع الدنیا واھملھا

(اے حافظ اگر تو حضوری چاہتا ہے تو اوس سے غافل مت ہو۔ جبکہ تو اوسکی ملاقات کا ارادہ کرے جسکو تو دوست رکھتا ہے تو فانی دنیا کی محبت کو دل سے نکال ڈال) لیکن ان غیر مترقبہ ضیافتوں سے اوسکے مجروح دل کو مطلق تسکین نہیں ہوتی ہے۔ پانی پیتا ہے لیکن لب ویسے ہی خشک ہیں۔ کھاتا ہے لیکن بھوک کی ویسی ہی شدت ہے ؎

ہمہ کارم زخود کامی ببدنامی کشید آخر
نہاں کے ماند آن رازے کزو سازند محفلہا

میرے ہر کام کا انجام خودکامی کی وجہ سے بدنامی کو پہونچا۔ مثل مشہور ہے وہ بات راز کہاں رہی جسکو محفل میں گایا گیا۔

بوڑھے اسکی یہ حالت مایوسانہ دیکھکر اپنے اپنے اسباب سفر کو کندھوں پر لادکر یہ کہتے ہوئے منزل مقصود کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

کیا تمسے کہیں جہاں کو کیسا پایا
غفلت ہی میں آدمی کو ڈوبا پایا

آنکھیں تو بے شمار دیکھیں لیکن　　کم ہیں جنہ اللہ جنکو بینا پایا

یہ نوعمر مسافر گھبرا کر ایک بزرگ کا دامن پکڑ لیتا ہے اور نہایت لجاجت اور اور انکساری سے دریافت کرتا ہے کہ پیرومرشد خدارا یہ تو بتلائیے کہ یہ سب کچھ کیا طلسم ہے آپ لوگ کہاں سے آرہے ہیں اور اب کہاں کا قصد ہے؟ وہ معتمر بزرگ ایک مایوسانہ نظر سے اوسکی طرف دیکھتے ہیں اور یہ کہکر چلدیتے ہیں کہ سمجھانے اور بتلانے کا وقت گذر چکا جو انفاس باقی ہیں اونکو غنیمت جانو ہمارا کیا حال پوچھتے ہو؎

آئے ستی ازان چلے ہو چکی نماز

اس عرصۂ حیات میں کیا آئے کیا چلے

الحمد للہ کہ ہم نے اپنے مرشد کی خدمت اور بہترین تعلیم وتلقین کا پھل پالیا اور وقت کو بھی الحمد للہ ضائع نہ ہونے دیا؎

بسکہ در چشم ودلم ہر لحظہ اے یارم توئی

ہر کہ آمد در نظر از دور پندارم توئی

جو کچھ دور اور نزدیک نظر آتا ہے وہی ہمارا مقصود اصلی ہے اے عزیز ان تمام باتوں کے سمجھنے اور کرنے کے لئے اللہ کی رحمت اور اوسکے کرم کے امیدوار رہو کسی کے سمجھانے سے کوئی مشکل سے ہی سمجھتا ہے اور ہر ایک کام اپنے وقت پر ہی ہوا کرتا ہے کیونکہ وقت ہی سب سے بڑا معلم ہے قبل از وقت سمجھنا دشوار ہے اور آخری وقت میں سمجھنا لاحاصل ہے۔

چشم میں گو خلق کے مثل حباب آتا ہوں میں

عین دریا ہوں حقیقت میں بہا جاتا ہوں میں

ان مختصر جملوں سے اس نوعمر مسافر کو کسی قدر تسکین ہوئی اور اسکے دل میں جو

رہ رہ کر ہلکا ہلکا درد اوٹھتا تھا اسمیں بھی قدرے کمی واقع ہوئی اوسنے پھر
اون بزرگوں کو ایک مرتبہ روکنا چاہا تاکہ وہ کچھ اور تلقین فرماویں لیکن انہوں
نے غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی طرف دیکھا اور یہ کہتے ہوئے روانہ ہوگئے

در بزم دور یک دو قدح درکش و برو
یعنی طمع مدار وصال دوام را

(یعنی اس دنیا میں ایک دو مزیدار شربت کے گھونٹ لے اور اپنی راہ
لگ اور ہمیشہ یہاں کی دل آویزیوں سے وفا کی امید رکھنا عبث ہے)

از وجود اینقدر م نام و نشان نیست کہ ہست ٭ ورنہ از ضعف در آنجا اثرے نیست کہ نیست
میری ہستی کا صرف اسی قدر نام و نشان کہیں ہوں ورنہ ایسا کوئی اثر کمزوری کا نہیں ہے جو نسل میں پیا نہ ہو
شیر در بادیۂ عشق تو روباہ شود ٭ آہ ازین راہ کہ در وے خطرے نیست کہ نیست
شیر تیرے عشق کے جنگل میں لومڑی ہوجاتا ہے ٭ افسوس اس راہ میں ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے جو نہ ہو
از سر کوئے تو رفتن نتوانم گامے ٭ ورنہ اندر دل بیدل سفرے نیست کہ نیست
بلا تیری مدد کے تیرے کوچہ میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا ہوں تو اس بیدل کے دل میں ایسا کوئی سفر نہیں ہے جو نہ ہو
مصلحت نیست کہ در پردہ برون افتد راز ٭ ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست
یہ مصلحت کے خلاف ہی کہ راز پردے سے باہر جاوے نہیں تو رندوں کی مجلس میں ایسی کون خبر ہے جو نہ ہو

ان ہجوم خیالات سے متاثر ہو کر اوسکا دماغ چکراتا ہے اور بیہوش ہو کر ایک
طرف کو گر جاتا ہے جب ہوش آتا ہے تو دیکھتا ہے کہ آفتاب غروب ہو چلا
جنگل میں سناٹا چھا گیا اور ہر طرف سے وحشی درندوں کی آوازیں آنے لگیں
یہ اپنے کو اس تاریکی میں بے یار و مددگار پاتا ہے اور خیالات سمٹ کر پیچھے چلے
جاتے ہیں وہ اپنی حالتِ ابتدائی کو خیال کرتا ہے جبکہ اوسنے اپنی عقل و سمجھ کے
مطابق راہ ترقی میں قدم رکھا تھا وہ اپنی پورانی تصویر عالم تصور میں ایک بوسیدہ

اور کرم خوردہ کاغذ پر دیکھتا ہے جس میں وہ اپنے ہم عمر ساتھیوں کے ساتھ
ہمہ تن کھیل کود میں منہمک ہے اور دنیا و مافیہا کی اوسوقت اوسکو مطلق خبر نہیں ہے
تب وہ آہ سرد بھر کر اپنے خیالی البم کا ایک دوسرا ورق الٹتا ہے تو اوس سے
بھی پرانی تصویریں اوسکے سامنے آجاتی ہیں جبکہ اوسکے والدین اوسکو انگلی پکڑ
کر چلنا سکھلا رہے ہیں اور وہ گر گر پڑتا ہے اوسکو باتیں کرنا بتلا رہے ہیں اور
اوسکی زبان سے صحیح الفاظ ادا نہیں ہوتے ہیں۔ تب اوسکو اپنے اوس گھر کا
خیال آتا ہے جسمیں آرام و راحت سے اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ بس کر بڑے
ناز و نعم سے اس نے پرورش پائی تھی۔ اوسکو اپنے والدین کی محبت بھری نظریں
یاد آتی ہیں جبکہ وہ اوس بچہ کو دیکھ کر باغ باغ ہوئے جاتے تھے اوسکی بُری
باتیں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور کہا کرتے تھے کہ ابھی یہ ناسمجھ ہے رفتہ رفتہ
آجاویگی اپنے اوپر تکلیفیں اور مصیبتیں گوارہ کرتے اور بچہ کو آرام پہونچاتے تھے
یہ تو سب کچھ کیا اور کچھ بھی بیجا نہ کیا لیکن افسوس روحانیت کی طرف اوسکو مطلق
توجہ نہ دلائی۔

پیدا ہوتے ہی اسلامی شعار کے مطابق اللہ اکبر کی آواز تو اذان دے کر
اوسکے کانوں میں پہونچائی لیکن سمجھ آنے کے بعد اوسکے معنے اوسکے ذہن نشین
نہیں کئے گئے۔ کبھی اتفاق سے راستے میں اگر کوئی جنازہ جاتا ہوا ملجاتا تھا تو
مجھے خوب یاد ہے کہ میرے نگران حال اوسطرف سے ہٹا کر کسی دوسری طرف
کو لیجاتے تھے تاکہ میں ڈر نہ جاؤں حالانکہ وہ میری زندگی کے انجام کا سبق
تھا۔ محلہ کی مسجد سے جب پانچ وقت اذان کی آواز میرے کانوں تک پہونچتی تھی
تو دل چاہتا تھا کہ اوسکو سمجھوں اور اوسکے معنی سمجھوں لیکن مجھے کبھی کسی نے نہیں
بتلائے اور ہمیشہ یہ کہکر ٹال دیا کہ ابھی ان سب باتوں کے سمجھنے کا وقت

نہیں ۔۔۔ پھر ان مدرسے میں داخل کر دیا گیا اور وہاں مجھے ہزاروں باتوں
کے سمجھنے ہی سے فرصت نہ ملی گھر میں تو کوئی بدقسمتی سے نماز پڑھتا ہی نہ تھا جو
مجھے سکھلاتا۔ ہاں البتہ عید بقرعید کو مجھے اچھے اچھے کپڑے پہنا کر نوکروں کے ساتھ
بھیجا جاتا تھا وہاں سے میں مٹی اور کاغذ کے رنگ برنگے کھلونے خرید کر لاتا اور
اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ تھوڑی دیر ان سے کھیل کر توڑ پھوڑ ڈالتا تھا۔ وہاں
پر میں ہزاروں مسلمانوں کو سیدھی سیدھی صفوں میں کھڑے ہوئے دیکھتا اونکی
رنگ برنگ کی پوشاکیں مجھے بہت ہی بھلی معلوم ہوتیں تھیں۔ وہ سب کے سب
کبھی گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھکتے اور کبھی سر بسجود ہو کر اپنی پیشانیوں کو زمین پر رکھ دیتے
تھے۔ میں اونکی اس قسم کی حرکتوں کو مطلق نہ سمجھتا تھا البتہ پیش امام صاحب کا
خوش الحانی سے پڑھنا اور سب کا خاموشی اور عقیدت سے سننا مجھے بھلا معلوم
ہوتا تھا جب وہ لوگ نماز سے فارغ ہو جاتے تو میں اپنے ساتھ والوں سے پوچھتا
کہ یہ کیا معاملہ ہے وہ مجھ سے بلا تامل یہ کہدیتے کہ ابھی یہ باتیں تمہارے سمجھنے کی نہیں
ہیں جب میں اس بات پر ضد کرتا تو کہتے کہ جیسی قواعد پریڈ فوج کی تمنے فلاں
مقام پر دیکھی تھی ویسی ہی یہ ہے گو وہ میری عقل و سمجھ کے مطابق مجھے بتلاتے تھے
لیکن افسوس کہ ایک کام کی بات سے وہ مجھے محروم رکھتے تھے۔ جب مکان پر
واپس آکر میری شفیق ماں مجھ سے دریافت کرتیں کہ ہاں کیا دیکھا تو میں بلا تامل
یہی کہدیتا کہ جو نوکروں نے مجھے بتلایا تھا یہ سنکر میری ماں اور باپ ہنستے تھے لیکن
اوسکی اصلیت اور حقیقت نہ بتلاتے تھے۔

جب مجھے حرف شناسی سکھلائی گئی اور بسم اللہ ہوئی تو خوب دھوم دھام ہوئی
سونے کا قلم اور چاندی کی تختی بنی تمام برادری اور محلہ میں مٹھائی تقسیم ہوئی مولوی
صاحب کو بھی علاوہ ایک جوڑے کے بہت کچھ انعام اکرام دیا گیا۔

مبارک سلامت کا شور آسمان تک پہونچا لیکن مجھے بسم اللہ کے معنے تک نہ
بتلائے گئے نہ یہ معلوم ہوا کہ اللہ بھی کوئی چیز ہے وہ رحمٰن ہے وہ رحیم ہے وہ مجھے
عدم سے وجود میں لایا۔ ماں کے پیٹ میں جہاں یہ انواع اقسام کی نہ غذائیں
تھیں یہ مخملی فرش اور عالیشان مکانات اور باغوں کی سیر اور خوشگوار ہوا
تھی نہ نوکر اور مامائیں نہ باورچی اور خدمتگار تھے اپنی قدرت کاملہ سے بلا آب و
دانہ پرورش کیا اور کیا سے کیا کر دیا اور جب اس عالم موجودات میں قدم رکھا تو
اوسی کے مناسب حال کیا کیا ساز و سامان عنایت کئے جو بیان سے باہر ہیں۔
آنکھ ناک کان منھ ہاتھ پیر عقل سلیم عطا کی تا کہ ہم اپنی خور و نوش کے اسباب پیدا
کرسکیں اور عقل کے ذریعہ سے ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں اعتدال پیدا کرسکیں
اور خطرات سے محفوظ رہیں۔

افسوس میرے بچپن کا وہ زمانہ جسکی ابتدا اس شد و مد سے ہوئی تھی
اکارت گیا اور کبھی مٹھائیوں کی چاٹ میں عارضی مزے لوٹے جنکا اب یہ اسمان تک
باقی نہیں ہے اور کبھی فرضی اور بے معنی قصے کہانیاں سنکر تضیع اوقات کی کبھی علم سائنس پر نہ
اور مادوں کی قوت کے کرشمے دکھلائے۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی جبکہ ایک
کھلونے کو میں نے دیکھا جسکو کوک کر چھوڑ دیا تھا اور وہ تمام مکان کے فرش پر اِدھر
سے اُدھر بھاگتا پھرتا تھا اسی طرح پنجرے میں چند لوہے کی بنی ہوئی چڑیاں
بند تھیں جو سچ مچ کی معلوم ہوتی تھیں اور چابی دینے سے وہ اسی طرح پر بولتی اور
حرکتیں کرتی تھیں جس طرح پر کہ جاندار چڑیا۔ یہ ایک نئی ایجاد تھی اور اس سے پہلے میرے
والدین نے بھی یہ کھلونے نہ دیکھے تھے وہ بھی اسکے بنانے والے کی تعریف کرتے کرتے
مبالغے تک نوبت پہونچا دیتے تھے۔ افسوس یہ کیسی غفلت ہے کہ دنیاوی صناعوں
کے بہت دیر تک ذکر اذکار رہے لیکن صانع حقیقی جسنے اس عجیب و غریب انسان

جیسے کھلونے کو بنایا اوسکا اس موقعہ پر کسی نے اشارۃً بھی ذکر نہ کیا پھر وہ موقعے جو میرے سمجھنے کے تھے اس خواب خرگوش کی نظر ہو رہے تھے میں یہ کیونکر سمجھتا اور کس طرح پر جاننا کہ میں تو سب سے زیادہ عجیب وغریب کھلونا ہوں ؎

دوران بقا چو باد صحرا بگذشت   تلخی و خوشی و زشت و زیبا بگذشت

پنداز ستمگر کہ ستم بر ما کرد   بر گردن او بماند و از ما بگذشت

غرضکہ یہ ناتجربہ کار مسافر اپنی حالت پر افسوس کرتا ہے اوسکے پاس روحانی ذخیرہ کچھ نہیں ہے وقت گذر گیا اور جو چند لمحے باقی ہیں وہ بھی عنقریب گذر جانے والے ہیں۔ یاس وحرکت سے سنسان جنگل کو دیکھتا ہے اور کہتا ہے ؎

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے
کس لئے آئے تھے ہم کیا کر چلے

اسکے بعد ایک آواز اوسکو اس طرح پر مخاطب کرتی ہے کہ اے کور باطن ظاہر بیں اور اے طلسم حیرت کے نادان بشر۔ اے ناقدر انسان اور اے اصلیت اور حقیقت سے دور افتادہ تو علم کی ٹوہ میں رہنے والا اور عمل سے دور بھاگنے والا ہے۔ بخت اور اتفاق کا کھلونا۔ زمین کا مطلوب ہے۔ سُن کہ تو پستی کی طرف جا رہا ہے۔ ہستی جس چیز کا نام ہے وہ محض دھوکا ہی دھوکا ہے۔ مادی اشیا جنکا تو جامہ پہنے ہوئے ہے اس عالم موجودات میں کوئی اضافے کی چیز نہیں ہے یہ سب فانی ہے اور فنا کا سبق تیری آئندہ ترقی کی بسم اللہ ہونا چاہئے۔ یہ جو کچھ تیری نظر کے سامنے ہے اوسی قسم کے تھیٹر کے پردے ہیں جنمیں تیرا بہت کچھ دل لگا کرتا تھا رات کے وقت وہ پہاڑ جنگل آبشار اور عالیشان مکانات کی شکل میں دکھلائی دیتے تھے لیکن روز روشن میں اونکی کوئی حقیقت نہ تھی بلکہ پردے بنانے والیکا کمال تھا اسی طرح پر یہ دنیا بھی تھیٹر کے تماشے کا ایک سین ہے جو ایک

بہت بڑے کاریگر کی ایک ادنیٰ کاریگری کا کرشمہ ہے جسکی حقیقت کو صرف موت کا آخر وقت ہی آشکارا کر سکتا ہے۔

افسوس کہ تو نے بہت جلد اپنی اصلیت کو بھلا دیا اور رعونت کا جامہ پہنکر جسم کو آراستہ کر لیا اصلیت یہ ہے کہ تجھے تیری آزادی اور آزاد خیالی نے تباہ و برباد کر دیا اگر تو نے حضرت آدم علیہ السلام کے اسوقت تک تواریخ دنیا کی ورق گردانی کی ہوتی تو معلوم ہو جاتا کہ اس کمبخت آزادی کی ہوس نے کیا ستم ڈھائے ہیں اور کتنے خاندان اور ملک برباد کر دئیے حضرت آدم اسی کی بدولت بہشت سے نکالے گئے۔ اخیر ملا ایک معلم الملکوت نے شیطان کا لقب پایا۔ اللہ رب العالمین کی ذات بڑی بے نیاز ہے۔

گذشتہ سلاطین نے اسی آزادی کی بدولت خون کے دریا بہائے۔ ہر ایک آزاد فلسفی نے گمراہی کے راگ الاپے مگر جب نتیجہ پر غور کیا تو ایک بچے سے لیکر بوڑھے تک ایک ادنیٰ مفلس سے لیکر بادشاہ تک جسکو دیکھا سخت پابندیوں میں مبتلا پایا۔

اے شخص تو اچھی طرح سمجھ لے کہ جب تک سانس باقی ہے کوئی ایک متنفس بھی آزاد نہیں رہ سکتا ہے۔ یہاں تک معدنیات میں بھی ایک خفیف سے خفیف ذرے سے لیکر اجرام افلاک پہاڑ تک سب ایک ضابطہ قاعدہ اور کشش کے محتاج ہیں۔ یہ سچ ہے کہ دنیا میں ایسے بہت ہیں جو آزاد اور آزادی کی خواہش میں دیوانے ہو رہے ہیں اور زیادہ حصہ اونکا ہے جو غلط فہمی سے اپنے آپکو آزاد خیال کئے ہوئے ہیں لیکن تو یقین کر کہ وہ اپنی قوتوں کا بیجا استعمال کر رہے ہیں اور ہرگز آزاد نہیں ہیں۔ کیا ایک قوی شخص آزاد ہے کیا اوسکو یہ خیال کبھی آتا ہے کہ اوس سے زیادہ قوت والا بھی کوئی شخص ہے۔ تو یقین کر کہ وہ آزاد

سہونیس ہے ؎

مزاج دہر تبہ شد درین بلا آرے
کجاست فکر حکیمے ورائے برہمنے

(زمانہ کا مزاج اس بلا میں خراب ہو گیا ہے۔ حکیم کی فکر اور برہمن کی رائے کہاں رہتی)

اسے فکر معقول اور روحانیت سے قربت حاصل کرنے والے انسان ایسے لوگوں سے کہدے کہ مچھلی کو سمندر کا مالک اور آزاد کبھی مت خیال کرو کیونکہ وہ انسان کے مقابلہ میں زیادہ خوف زدہ رہتی ہے اور ہر بڑی مچھلی کی غذا، چھوٹی مچھلی ہے۔ ایک مکھی سیاہ پوش پر دار ہوا میں آزاد نہیں ہے کیونکہ وہ چور ہے اور چور کبھی آزاد نہیں ہوتا ہے۔ ایک شرابی یا آزادی کے متوالے کو یہ ممکن ہے کہ اس ناپاک حرکت سے تفکرات دنیاوی سے عارضی نجات حاصل ہو جاوے لیکن اوسے سمجھا دو کہ تیرے آخری دو گھونٹ شاید مزیدار ہوں لیکن پیالے کی تہ میں تلخی کا اثر ضرور ہے اسے کمزور طبیعت شرابی تو رات کو شائد شکاری ہو لیکن صبح کو تو خود ہی اپنا شکار ہو جاویگا۔

پور آزاد وہی ہے جو بھلائی کی سختیاں جھیلے۔ اطاعت سے آزادی حاصل ہوتی ہے لیکن اطاعت آزادی نہیں ہے۔ اپنے فرائض دین و دنیا کی بجاآوری کے بعد جو اطمینان اور خوشی حاصل ہوتی ہے وہی سچی آزادی ہے ورنہ غیر محدود آزادی کا خیال محض افسانہ ہے ؎

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد
ہر کہ خود را دید او محروم شد

یعنی وہ تعلیم ہے جو ایک مسلم کی راہ ہدایت اور اس زندگی کی دشوار

گذار گھاٹی سے گذرنے کا آسان راستہ ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ نادانوں نے لفظ آزادی اور "مطلق العنانی" کے معنوں کو ایک ہی سمجھ رکھا ہے حالانکہ ایک دوسرے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایسے لوگ اُن خار و اَجھاڑیوں سے بہت مشابہ ہیں جو از خود راہ گیروں کے دامن کو پھاڑنے اور اونکو زخمی کرنے کے واسطے پیدا ہو جایا کرتی ہیں اور کچھ مدت بعد خود ہی خشک ہو کر فنا ہو جاتی ہیں اور کوئی اونکی دیکھ بھال نہیں کرتا ؎

جان و دل تو حافظا بستۂ دام آرزوست
اے متعلقِ خجل دم مزن از مجردی

(اے حافظا تیری جان اور دل تو آرزو کے جال میں قید ہیں۔ اے گھرے ہوئے شرمندہ آدمی تو دوسری بار آزادی کا دم مت بھرنا)۔

حضرات

میں نے سب کچھ کہا اور ابھی بہت کچھ کہنا باقی ہے یہ دنیا تماشا ضرور ہے۔ لیکن مداری کے چٹے بٹے نہیں ہیں جو آستین اور جھولی میں ڈالتے اور نکالتے کوئی دیکھ سکے یہ تماشا ضرور ہے لیکن وہ تھیٹر نہیں جسمیں چند راولی کے عشق و محبت کے راگ الاپے جاویں یہ الہ دین اور چالیس چوروں والا تماشا ہے یہ در اصل وہ تماشہ ہے جسنے باوجود آنکھ ناک کان ہونے کے بھی ہمکو گونگا بہرہ اور اندھا کر دیا ہے ہم دیکھتے ہیں لیکن اوسکی ماہیت سے قطعی بے خبر ہیں ہم سنتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں یہ خواب غفلت کی نیند نہیں تو کیا ہے ؎

برین دو دیدۂ حیرانِ من ہزار افسوس
کہ با دو آئینہ رویش عیان نمی بینم

ہملٹ کا تماشا دیکھنے کی غرض سے ہم اوسوقت تھیٹر میں داخل ہوتے ہیں جبکہ پرنس ڈنمارک اپنا ایکٹ کرکے چلا جاتا ہے اور عمر رخصتی دور سے سلام کرتی ہوتی ہے۔ ہم دنیا کے عروج اور زوال کی طرف کیوں متوجہ نہیں ہوتے ہیں چاند کا بڑھنا اور بتدریج گھٹنا سورج کا طلوع اور غروب ہوتا نباتاتی اشیاء کا پیدا ہو کر فنا ہونا یہ سب کیا ہماری حقیقت کا انکشاف کرنے اور ہمارے سمجھانے کے لئے کافی نشانیاں نہیں ہیں۔ بشرطیکہ ہم چشم بصیرت سے دیکھیں اور گوش ہوش سے اونکی آوازوں کو سنیں۔ اِس عالم موجودات میں جو چیز عجیب ہے وہ اوسی قدر چشم بینا کے لئے عبرتناک منظر ہے ؎

جمالِ اوست بہر شش جہت تماشا کن
خدا حجاب ندارد تو دیدہ پیدا کن

کبھی غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اکثر نیچر یعنی قدرتِ کاملہ ہماری طرف ایسی محبت آمیز پیرایہ میں ہمسے متوجہ ہوتی ہے کہ گویا اوس مادر مہربان کو ہم سے کوئی راز کی خاص بات کہنا ہے لیکن افسوس کہ ہم اپنی رعونت مصنوعیت اور اور آزاد خیالی کے گھمنڈ میں اپنے خیالات کو کسی دوسری طرف متوجہ کر دیتے ہیں اور اوسکی وہ محبت آمیز بات نہیں سنتے۔ اور نہ اسبات کی قدر ہماری نگاہ میں ہے کہ جو کچھ ہمنے معلموں سے سیکھا اور کتابوں میں پڑھا اوس سے کہیں زیادہ عمدہ اور بہترین اصول اس عالم اسباب میں وہ سڑنے اور گلنے والی ناپاک چیزیں سکھلاتی ہیں یہ وہی سڑی ہوئی چیزیں ہوتی ہیں جن سے کچھ عرصہ پہلے ہماری آنکھوں میں نور اور دل کو سرور حاصل ہوتا تھا اور اس سڑی گلی حالت میں ہم اوسطرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنی رعونت کی مستانہ آنکھیں بند کرلیں تو راہِ ہدایت کے لئے کافی ہیں ؎

آن کس ست اہل بشارت کہ اشارت داند
نکتہا ہست بسے محرم اسرار کجاست

ظاہری آنکھ سے عجائبات عالم کی سیر ہوتی ہے لیکن اگر باطنی آنکھ رکھتے ہو تو اس سے بھی زیادہ صنعتیں نظر آسکتی ہیں جنکی کوئی انتہا نہیں کیونکہ اونکا تعلق روح سے ہے اور ہر صورت کے ساتھ ایک حقیقت کا ہونا لازمی ہے۔ صورت آنکھ سے دیکھی جا سکتی ہے لیکن حقیقت کے واسطے چشم باطن کی ضرورت ہے اسلئے جسکے حصے میں چشم ظاہری کے علاوہ چشم بصیرت باطنی نہیں ہے اوسکا درجہ جانوروں کے درجہ کے قریب قریب ہے ایک مرتبہ حضرت رسول کریم نے فرمایا کہ عبادت میں تم اپنی آنکھوں کو بھی حصہ دیا کرو لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کیونکر فرمایا اسطرح کہ آئینہ دیکھ کر کلام اللہ پڑھا کرو اوسکے معنے سے تفکر کیا کرو اور اوسکے عجائبات سے عبرت کیا کرو۔

انسانوں میں سے بعض ایسے بھی خدا کے مقبول بندے ہیں کہ ایک پتا ملنے کی آواز سے کسی کار آمد نتیجہ پر پہونچ جاتے ہیں اور بعض ایسے بھی خواب غفلت کے متوالے ہیں کہ اگر زلزلے آجاویں زمین پھٹ جاوے پہاڑوں کے ٹکڑے اڑ جاویں اور ایسی بیماریاں پیدا ہو جاویں کہ دیکھتے دیکھتے لاکھوں جانیں ہلاک ہو جاویں اور کوئی علاج نہ بن پڑے لیکن اونکو قیامت کے برحق ہونے اور اعمال کی پرسش کا بھی یقین نہ ہو اور جو لوگ کہ اس ہندی مثل پر عامل ہیں کہ اون انکھوں میں نیند کہاں ہے جن آنکھوں میں آپ سمائے اونکی یہ حالت ہے کہ اگر اتفاق سے وہ سو بھی جاتے ہیں تو زرا سے کھٹکے ساتھ آنکھ کھل جاتی ہے۔ وہ قافلہ کی روانگی کے بگل کے ہر وقت منتظر رہتے ہیں۔ لیکن دنیاوی عیش و عشرت کے متوالے کبھی انگڑائی لیتے ہیں کبھی جمائی لیتے ہیں کبھی کروٹ بدلتے ہیں کبھی آنکھیں بند

نیند میں جھومتے ہوئے اوٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر اونگھ کر پھر لیٹ جاتے ہیں اور خراٹے لینے لگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہوشیار کرنے اور جگانے والا کون ہے انہیں جگانے والی وہی سڑنے گلنے والی چیزیں ہیں۔

نفس مطمئنہ کی پرورش کے واسطے دنیا میں سامان خورش بہت ہیں لیکن اگر اونکا بیجا استعمال کیا جائے تو وہ دب جاتا ہے۔ پیغمبر خدا میں منجملہ دیگر اعلیٰ صفات کے ایک یہ صفت بھی خصوصیت سے تھی کہ دنیا کا ذرہ برابر اثر بھی آپکی بادشاہت پر غالب نہ تھا ورنہ عوام کی تو یہ حالت ہے کہ دنیاوی جاہ جلال اور خواہشات بیجا میں ڈوب کر تہ میں بیٹھ جاتے ہیں پس نتیجہ ظاہر ہے کہ جو دنیا میں اندھا ہے وہ یقیناً آخرت میں بھی اندھا ہی رہیگا۔

تاریخ کی ورق گردانی کیجئے تو معلوم ہوگا کہ جس قدر ممالک خود انسانوں نے اپنے ہاتھ سے تباہ و برباد کئے اتنے زلزلوں سے برباد نہیں ہوئے۔ آہ اے ناقدر دان انسان اگر تو بندہ ہو کر فرعونیت کا دعوے کرے تو کیا یہ سراسر تیری نادانی اور جنون نہیں ہے کیا قوم عاد ثمود بنی اسرائیل طوفان نوح وغیرہ اسکی بین مثالیں نہیں ہیں جنہوں نے اپنے نامہ اعمال اور تاریخ دنیا کے اوراق کو سیاہ کر دیا اور ہمیشہ کی بدنامی کے داغ سے انسان جیسے اشرف المخلوقات کو شرمندہ بنایا افسوس تو نے اپنی قوتوں کا بیجا استعمال کیا اور خلیث شیطان، یعنی نفس کے دہوکے میں آنکر اوسکو اپنا مشیر بنالیا اور اوسنے تجھے اس بری طرح پر بگاڑا کہ جس طرح بعض رئیسوں کے ناسمجھ بچوں کو گمراہ اور خراب کرنے والے بد اندیش دوست احباب ملجایا کرتے ہیں ؎

اے دل شباب رفت و نچیدی گلے زعمر
پیرانہ سر بکن ہوسے ننگ و نام را

اس آسمان اور زمین کے درمیانی خلے میں ہماری بداعمالیوں کے اثر نے ہوا کو کچھ ایسا زہریلا بنا دیا ہے کہ سانس کے ساتھ جسم میں سرائت کئے ہوئے ہے گویا زمانہ کا رنگ ہی بدلا ہوا ہے۔ اسکے علاوہ ہمنے ضروریات زندگی کی بیل کو کچھ ایسا لمبا کردیا ہے کہ جسکو آسانی سے کھینچنے کے لئے ہماری موجودہ قوتِ روحانی کافی نہیں ہے۔ ہمنے اپنی رفتار۔ گفتار۔ مذہب۔ طرزِ معاشرت۔ آداب نشست برخاست اوٹھنا بیٹھنا۔ سونا۔ جاگنا۔ غرضکہ دن رات کے تمام کاموں میں اسقدر مصنوعیت شامل کردی ہے کہ اصلیت اور حقیقت۔ قریب قریب معدوم ہوتی جاتی ہے اور آرٹیفیشل لائف سے کوئی ایک منٹ بھی خالی نہیں ہے۔ نہ وہ پہلی سی سچی خوشیاں رہیں نہ وہ اہل دل رہے نہ وہ امنگیں اور طبیعتوں میں جوش اور ولولے رہے نہ وہ سچی ہنسی اور قہقہے رہے نہ کھانے اور پینے میں وہ پہلا سا مزہ رہا ہر شخص مایوسی اور افسردگی کے دریا میں غرق نظر آتا ہے ؎

قدمِ شوق بڑھے اونکی طرف کیا اکبر
دل سے ملتے نہیں یہ ہاتھ ملانے والے

ہزاروں نعمتیں ہمارے روزمرہ کے استعمال سے خفیف معلوم ہونے لگی جو دراصل نہایت ہی قابل قدر ہیں دیکھو نہ جب حقیقی طور پر پیار و محبت سے آپس میں ملتے ہیں تو دلی خوشی کی مسکراہٹ کیا مزہ دیتی ہے معاشرت کا تو یہ تقاضہ ہے کہ انسان ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور پیار سے گزر کرے تاکہ دنیا میں امن و امان کی زندگی نصیب ہو لیکن طبائع کی گوناگونی کا کیا علاج ہے اور نیک و بد کا تفرقہ کیونکر مٹایا جاوے۔ عالم شباب کا نشہ جوانی کا زور دنیا کو بدامنی کی طرف مائل کئے ہوئے ہے خودی کا پردہ تو عقل پر پڑا ہوا تھا ہی

مصنوعیت نے اور بھی غضب ڈھایا۔ لفاظی اور لسانی قابلیت کا جزو بن گئی دروغ مصلحت آمیز نے مقبولیت کا جامہ پہن لیا غرضکہ انسان جب وعظ و نصیحت پر آتا ہے تو زمین و آسمان کو ہلا ڈالتا ہے ممکن اور محال کا امتیاز دور کر دیتا ہے لیکن سچ ہے کہ عمل کی گھاٹی کس قدر سخت ہے ؎

ہر کجے ناصح برائے دیگران
ناصح خود یافتم کم در جہان

نوجوانوں کی بڑی سعادت مندی اسی میں ہے کہ اونکی قوت عقلی نفرت انگیز خیالات سے پاک اور صاف رہے۔ سچ ہے اگر چار چیزیں نہ ہوتیں تو انسان کے کام ضرور درست ہوتے۔ گہری نادانی جستجوئی امید۔ رنجیدہ حرص اور دور از کار خواہش ؎

اگر حرص دامنگیر نہ ہو تو ہر شخص پیٹ بھرنے اور پڑ رہنے کو جگہ تلاش کر سکتا ہے۔ قناعت کسی طرح پر دولت سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ کمی خواہشات سے حاصل ہوتی ہے ؎

امیدیں ٹوٹتی ہیں تو بہت صدمے پہونچتے ہیں
جو امیدیں کریگا کم او سے صدمے بھی کم ہونگے

ایک حکیم کا قول ہے کہ ایک مرتبہ اتفاقیہ رہزنوں کے گروہ میں جا پہونچا اور اونہوں نے مجھے خوب ہی لوٹا لیکن بعد کو جب مینے اپنے سامان کی فہرست دیکھی تو چاند۔ سورج۔ تازہ۔ ہوا۔ میری بیوی بچے۔ فرحت بخش روح میرا ضمیر میرے مضبوط خیالات یہ تمام سامان میرا اسے بجنسہٖ میرے پاس موجود ہے اور چور مجھسے کچھ بھی نہ لے سکے انسان کو ہر حالت میں قناعت لازم ہے کیونکہ ہمارے حقوق کا بہتر انتخاب کرنے والا خدا ہے۔

حریص کی مثال اوس شخص سے بہت مشابہ ہے جسنے خواب دیکھا تھا کہ اللہ نے اوسکو بہت سے پیسے عطا کرنے چاہے اوس شخص نے کہا کہ میں تو جواہرات ہی لونگا تب خدا نے اوسے روپیے اور اشرفیاں عطا کرنی چاہیں لیکن وہ حریص اپنی اوسی ضد پر قایم رہا دفعتاً اوسکی آنکھ کھل گئی دیکھا کہ اوسکے ہاتھ خالی ہیں تب اوسنی پھر فوراً آنکھیں بند کرلیں اور کہنا لگا کہ اچھا خیر پیسے ہی اگر دیتے ہیں تو وہی دیدو میں انکھیں کو شکر گذاری سے قبول کرلونگا مگر پھر کیا ملتا ہے وقت گذر چکا تھا۔

بحالت موجودہ جو ابتدائی تعلیم بچوں کو دیجاتی ہے اور جو تربیت اونکو سکھلائی جاتی ہے میرے خیال میں وہ کافی نہیں ہے وہ اونکو انواع اقسام کی پیچیدگیوں میں مبتلا کیئے بغیر نہیں رہتی۔ ظاہر ہے کہ ایک زہریلی دوا کی مقدار جو ہمارے مرض کو دور کر دیتی ہے اگر اعتدال سے زیادہ استعمال کی جاوے تو وہ ہلاکت کا باعث ہوتی ہے اگر دنیاوی تعلیم کے ساتھ یہ معتدل معجون روحانیت کی بھی اونکی گھٹی میں شروع ہی سے شامل کر دی جاوے اور علم ادب کے ساتھ علم الٰہی کی بھی مزیدار چاشنی ملادی جاوے تو کیا عجب ہے کہ بچے اس مفرح القلوب روح افزا مزیدار دوا کو شروع ہی سے پینے کے عادی ہو جاویں اور اگر اتفاق سے کوئی سمیت اونکے جسم میں یہ مسموم خلا داخل بھی کر دے تو وہ بچے فوری ہلاکت سے محفوظ رہیں۔

واگر بچوں میں اس صورت سے ،، اپنی اصلاح آپ کرنے کی عادت پڑجاوے تو ان چھوٹے چھوٹے پودوں کے پھولنے پھلنے پر دنیا میں امن وامان کی خوشگوار زندگی کی بہت کچھ توقع کیجاسکتی ہے۔ اونکو سوچنے سمجھنے کے ابتدائی زمانہ میں اولاً چیزوں کے خواص اونکی حقیقت از ابتدا تا انتہا اونکی عقل وسمجھ کے لحاظ سے ذہن نشین کر دینی چاہیئے تاکہ وہ بمقابلہ اوسکے کہ کسی بات کی دلیل لفظی پیش کرنے میں بیکار مشق بہم پہنچاویں اوس چیز کے حقیقی معنوں کو سمجھنے میں

زیادہ قوی ہوجاویں اور مصنوعیت کو حق پر ترجیح نہ دینے لگیں۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ وہ والدین جنکو میں ابتدائی معلم قرار دے رہا ہوں خود ہی ایک پیچیدہ راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ ناسمجھ بچے اپنا آبائی راستہ چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کریں جس سے وہ قطعی بے خبر ہیں۔ ع

این خیال است و محال ست و جنون

ایک ہندی مثل ہے۔ باپ پر پوت پتا پر گھوڑا۔ بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا۔ بچہ اگر اپنے ماں باپ سے نہ سیکھے تو ابتدا میں اور کس سے سیکھے جن کی آغوش میں اونسے پرورش پائی جنکی اونگلی پکڑ کر اونسے چلنا سیکھا اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہ بچپن ہی میں قبل اسکے کہ وہ کسی کتاب کے پڑھنے یا کسی اُستاد کی نصیحت سے فائدہ اوٹھاویں اپنے گرد و پیش کے اثرات قبول کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ نقل کرنے کی طاقت اور فطرتی عادت جو وہ اپنے ساتھ لاتے ہیں ٹھیک ایسے ہی وقت اپنا جلوہ دکھاتی ہے جبکہ دیگر قوتیں ابھی بالکل نامکمل حالت میں ہوتی ہیں اور قبل اسکے کہ وہ کافی طور پر نیک و بد کی تمیز کرسکیں اونکی نقلی عادتیں ایک خاص شکل میں ڈھلنی شروع ہوجاتی ہیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ والدین ان معصوم بچوں کو خود ہی قعر مذلت میں گرا دیں جنکی آئندہ زندگی کا وہ خود نمونہ بنے ہوئے ہیں۔ مشہور ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے اسلئے اخلاق اور علم دین کے بہترین اصولوں سے والدین کو خود آراستہ پیراستہ ہوجانا

ترقی مستقل وہ ہے جو روحانی ہوا ے اکبر
اُڑا جو ذرۂ عنصر پھر زیر زمین آیا

روایت کہ ایک مرتبہ ایک شخص رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور

عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ لڑکا گُڑ بہت کھاتا ہے اور میں غریب آدمی ہوں مجھ میں اسقدر استطاعت نہیں جو روزانہ اوسکو کھلا سکوں آپنے فرمایا کہ یہ تو بتلاؤ کہ کہیں تم تو گڑ کھانے کے عادی نہیں ہو اوسنے جواب دیا یا رسول اللہ کبھی کبھی گڑ میں بھی کھالیا کرتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اوس بچے کی پھر کیوں شکایت کرتے ہو جب تم نے خود اوسکو گڑ کھلانا سکھلایا تو وہ کیوں نہ سیکھتا۔ تم چھوڑ دو تو وہ بھی اس عادت کو رفتہ رفتہ چھوڑ دیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ کیا ماں باپ بھی گڑ کھانے کی عادت کو آسانی سے چھوڑ سکتے ہیں اور صرف اون باتوں کے عادی ہو سکتے ہیں جنکی تعلیم وہ اپنی اولادوں کو دینا چاہتے ہیں اگر خدانخواستہ اونکی بھی بعض مکروہ عادتیں مستحکم ہو چکی ہیں اور بڈھے باسطیل کی طرح اونکو اپنی اوسی حالت میں رہنا گوارہ ہے تو خدا ہی حافظ ہے انسان کو چاہئے کہ بُرائی کے ارتکاب سے شرم کرے تو پہلے اپنے گھر میں اپنے بال بچوں سے دوسری جگہ اپنے ملنے والوں سے اور جہاں کوئی نہ ہو تو اپنی روح سے اور اور اگر بدقسمتی سے وہ اپنی روح کو اس عزت کا مستحق خیال نہیں کرتا ہے تو اللہ سے شرم کرنی چاہئے جس سے کوئی راز پوشیدہ نہیں ہے۔

سچ ہے کہ جو دنیا کی محبت میں حد سے گذر گیا وہ محتاج مرا اور جس نے آخرت کا خیال رکھا اوسنے سب کچھ پالیا۔

روایت ہے کہ مسلمہ عبدالملک خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز رحمت اللہ علیہ کے پاس اونکی وفات کے وقت گئے اور کہا کہ یا امیرالمومنین آپ نے ایسا کام کیا ہے کہ کبھی کسی نے نہ کیا ہوگا آپ کے تیرہ بیٹے ہیں اور اونکے واسطے آپ نے ایک درم ایک دینار تک نہ چھوڑا۔ فرمایا کہ مجھے اوٹھا کر بٹھادو لوگوں نے بٹھادیا۔ فرمانے لگے نہ تو میں نے اونکی مالک جاگیر دوسروں کو دیدی اور نہ دوسروں کی

ملک بے کراونکو دی۔ دونوں باتوں میں سے ایک بات ضرور ہو گی یا تو میرے بیٹے قابل اور خدا کے مطیع بندے ہونگے یا اسکے خلاف ہوگا جو ان میں سے مطیع اور لایق ہوگا اوسے اللہ بس ہے اور جو نالایق ہوگا وہ کسی حالت میں رہے مجھے اوسکی کچھ پروا نہیں ہے۔

اپنے نفس سے خبردار رہنا۔ مصیبت کے وقت صبر۔ رضا بقضا۔ شکر نعمت حرام چیزوں سے پرہیز۔ خدا کا خوف۔ حاکم وقت کی اطاعت اور فرمانبرداری کو اپنا شعار بنانا۔ سلامت روی۔ راست بازی۔ بنی نوع انسان کی خدمت گذاری والدین کی اطاعت یہی تو وہ سب باتیں ہیں جن سے صحیح معنوں میں آزادی حاصل ہوتی ہے۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ راستی کے سامنے جھوٹ کو کبھی فروغ نہیں ہو سکتا ہے راستی یقیناً جھوٹ پر غالب آویگی۔ اے ساحل آرزو تیری تلاش میں ایک زمانے نے ٹھوکریں کھائیں لیکن کبھی پیاسے کو سراب کا دھوکا ہوا کبھی سکندر سے بادشاہ کو آب حیوان سے پیاسا پھیرا۔ غرضکہ تو نے ایک عالم کو دیوانہ بنا دیا ہے کبھی تھپک تھپک کر میٹھی نیند سلاتی ہے کبھی چڑیل بنکر ہمیں ڈراتی ہے باد موافق بنی شوق آرزو کے ساحل کی طرف لیچلی پھر باد مخالف بنی اور اس روپ میں یاس و حسرت کے تحت السرا میں جاگرایا۔ لیکن کبھی ایک ساعت ایک پہلو آرام چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا شاباش تیرا جادو زبردست ہے جو نہ اترتا تھا نہ اترا ہم اپنے نزدیک کبھی سنبھلے پھر حواس درست کیے اور اپنا راستہ لیا کبھی تیری تسلی اور تشفی میں دہوکا کھایا یا اپنے زور میں خود ہی چت ہو گئے ؎

کس ندانست کہ منزل گہ مقصود کجاست　　　　این قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

یہ بانگ جرس بھی وہی قلب کی حرکت ہے جو موت کا پتہ دیتی رہتی ہے اہل کاروان
بیچارے بھولے بھالے سیدھے سادے تیری عیاری اور مکاری کو کیا جانیں۔
اے نفس تو ہمیں بظاہر شہد کے گھونٹ پلا کر اوسکی چاٹ میں لگائے رکھتا ہے۔ جو
زہر کے گھونٹوں سے کم نہیں معلوم ہوتے۔ ایک حکیم کی خادمہ کی بینائی جاتی
رہی لیکن وہ اپنے اس مرض سے آگاہ نہ ہوئی اور ایک مدت تک یہی کہتی رہی
کہ مکان تاریک ہے۔ غرضکہ یہ سب طلسم قدرت ہے جو ہماری عقل ظاہری کی
رسائی سے کوسوں دور ہے ہماری سہل انگاریاں غلط ہمارے دعوے باطل
ہماری رائے نادرست۔ بڑے بڑے عقلا جنکے کارنامے آج تک محفوظ ہیں وہ
بھی کچھ نہ سمجھے اور کچھ نہ جانے کہ حقیقت کیا ہے۔ ارسطو کا مقولہ ہے کہ میں کچھ نہیں
نہیں جانتا، کتنا اسقدر بھلا معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقت جسکو میں جانتا ہوں یہی
کہہ دیتا ہوں کہ کچھ نہیں جانتا۔ اے عقل کل انسان ضعیف البنیان بھلا تو کیا اور
تیری عقل وسمجھ کیا۔ جو اس پستی کی حالت میں رہکر راز قدرت معلوم کر سکے جبکہ تجھے
خود ہی اپنے جسم کا حال معلوم نہیں کہ اوسکے اندر کس قدر امراض بھرے
پڑے ہیں ؎

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہوگا	ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہمسے ہوگا
جو کچھ ہوا ہوا کرم سے تیرے	جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

البتہ اگر اوسکا کرم ہماری عاجزی اوسکی رحمت ہماری انکساری اس طلسمی
پردہ کو ہماری نظروں سے ہٹا دے تو کیا عجب ہے کہ ہمارے اصلی حواس خمسہ
درست ہو جاویں اوسکی بخشش اور رحمت اس اندھیری رات کو جس میں
ہم مثل اندھوں کے ٹٹولتے پھرتے ہیں روز روشن بنا دے تب البتہ ہم
دیکھ سکیں گے کہ "ہم کون ہیں" اوسکی صفت کریمی اور رحیمی صفت قہاری

اور جباری پر غالب ہے۔ سَبَقَت رَحمَتِی عَلٰے غَضَبِی۔

ہاں بداں مقصد عالی نتوانیم رسید
ہاں مگر لطفِ شما پیش نہد گامے چند
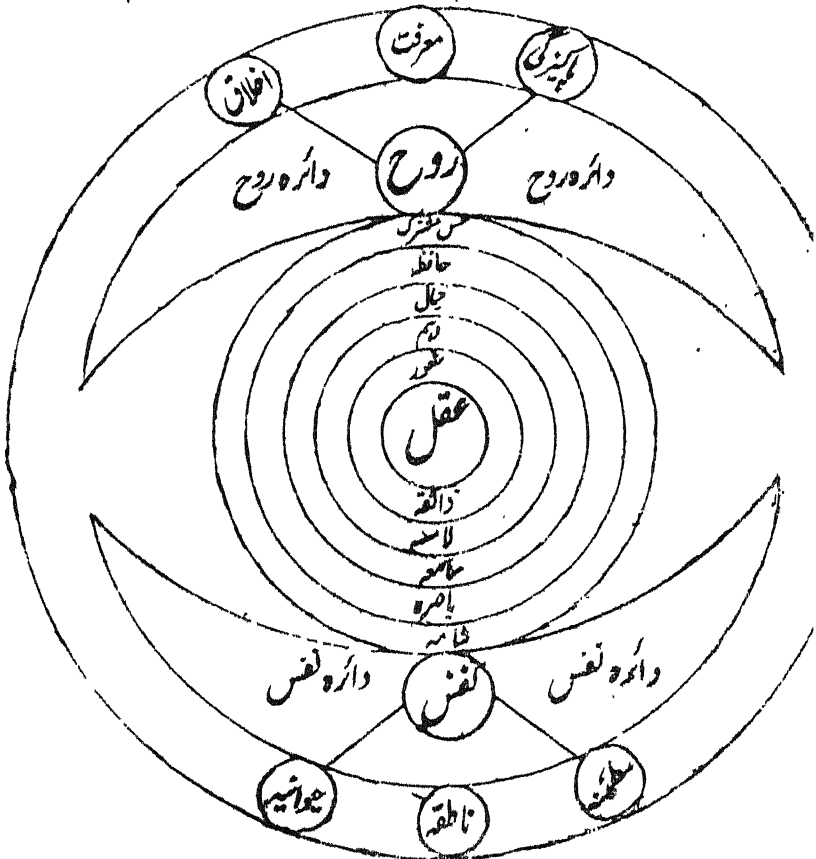
عالمِ لاہوتی
معرفت
اخلاق
روح
دائرہ روح
دائرہ روح
حافظہ
خیال
عقل
ذائقہ
لامسہ
سامعہ
باصرہ
شامہ
نفس
دائرہ نفس
دائرہ نفس
حیوانیہ
ناطقہ
عالمِ ناسوتی

انسان کی ماہیت

روح کشاید سوے بالا بالہا　　تن فگندہ در زمین چنگالہا
روح بلندی داشت تن پستی زخاک　　مجتمع شد خاک پست و روح پاک
چون بلند و پست باہم یار شد
آدمی اعجوبۂ اسرار شد

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ - اور ہمنے آسمان اور زمین کے اندر جو کچھ ہے بازیچہ نہیں بنایا بلکہ ہزار ہا نعمتیں اور مصلحتیں بھر دی ہیں یہ پانچ چھ فٹ کے درمیان کی عجیب وغریب مشین جسکی صنعت دیکھکر صانع قدرت کی کاریگری کا پتہ چلتا ہے اسکے کل پرزون کا سمجھنا ایسا ہی دشوار گذار کام ہے جیساکہ انسان کے لیے خدا کی ہستی کا پہچاننا۔

یہ چیزیں کن کن عناصر سے مرکب ہوکر انسان کہلائیں اسکی تحقیق جب ہو گی تب ہو گی مگر خاک سے پاکیزہ صور تونکا پیدا ہونا اور پھر نیست ونابود ہو جانا تو ہمارا دن رات کا مشاہدہ ہے۔ باعتبار دور کی چیزوں کے اپنے اور اپنے سے قریب تر چیزون میں غور وفکر کرنا زیادہ آسان کام ہے ؎

احسان مانو حسن خداداد کا بتو
پتھر تھے تمکو شیشے سے نازک بنا دیا

بڑے بڑے عقلا جو کہ اپنے وقت کے ارسطو اور جالینوس گذرے ہر ایک نے اپنی اپنی عقل و سمجھ کے مطابق اس مشین کی بناوٹ اوسکی تصریح اور تشریح میں سالہا سال صرف کر دئے اور باوجود اس کوشش کے ایک ریشے کی بھی جانچ پایہ تکمیل کو نہ پہونچ سکی اسلئے یہ دعویٰ غلط ہے کہ جسم کی تحقیقات مکمل ہو سکی بلکہ ہمیں اپنے جسم کی کھیتی یعنی بالوں کی پیداوار کا بھی سبب نہیں معلوم تو دیگر علوم مثلاً نباتات وغیرہ جیسیں زرا سا بیج بو دینے سے لاکھوں من کا درخت پیدا ہو جاتا ہے اوسکا سبب معلوم کرنا یا سمجھ لینا کہ آیا اس بیج کے اجزاء اندرونی اجزاء بالیدگی کو حرکت دیکر اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں یا اجزاء بیرونی جو آسمان اور زمین کے درمیانی خلے میں ہیں اسبات کے متوقع رہا کرتے ہیں کہ ہم بالیدگی پیدا کریں۔ کیونکہ ایک طرف تو یہ صورت واقع ہوتی ہے کہ ذرا سا بیج لاکھوں من کا درخت پیدا کر دیتا ہے اور دوسری طرف ہزاروں من وزنی چیزیں باوجود سالہا برس زمین میں دفن رہنے کے ایک انچ بھی بالیدگی پیدا نہیں کر سکتی ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اگر مادی اشیاء کے ذاتی جوہروں میں قبولیت کی طاقت نہ ہو تو اجزاء بیرونی مطلق مفید ثابت نہ ہوں۔

آپ ایک چھوٹی چھوٹی چیز ذرہ کو لے لیجئے اور اوسکی تحقیقات کیجئے اوسکی چمک اوسکی لمبائی چوڑائی وغیرہ معلوم کیجئے تو آپ عاجز آجائیں گے لیکن اوسکی تحقیقات کا سلسلہ ختم نہ ہوگا البتہ جو شخص جسقدر معلوم کر لیتا ہے وہ اوسی کی حد تک اوس تحقیقات کا مالک بن جاتا ہے۔ ہم روزانہ ایک نئی بات معلوم کرتے ہیں اور متعجب ہوتے ہیں جب ایسی صورت ہو تو اس عظیم الشان کام کی مکمل تحقیقات کے واسطے حضرت انسان کی عمر اور کمزوریاں ظاہر ہیں ؎

جمال یار ندارد وغبار رہ بنشان ٭ نقاب پردہ ولے در نظر توانی کرد

زندگی در اصل سانس لیتے اور مثل چوپاؤں کے کھا پیکر پڑ رہنے کے معنے نہیں ہے بلکہ اپنی خوش آئند امیدوں کو زیادہ مضبوط اور سرسبز رکھنے تندرستی اور فارغ البالی کو مدنظر رکھکر باریک بین ہونے سے مراد ہے تاکہ اس تھوڑی سی عمر میں اعتدال اور توازن قایم رہے اور اعتدال سے گھٹنا یا بڑھنا ہمارے واسطے مضر ثابت نہ ہو۔

ہم میں سے اکثر لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اونکی زندگی کا در اصل کوئی معیار نہیں ہے جسطرف رُخ کیا اوسی کے ہورہے جسطرف نظر جمائی محو حیرت بن گئے۔ اسلئے اونکی مثال دریا میں ایک گھاس کے تنکے کی ہے کہ جو خود نہیں بہتا اور موجیں اوسکو اِدھر اُدھر بہائے پھرتی ہیں۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک تیز رو کیساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

قانون قدرت کا کوئی سا صفحہ الٹ کر مطالعہ کریجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اسمیں ہر چیز اپنی حقیقت کیطرف نہایت کامیابی کے ساتھ مائل بہ ترقی ہے کیونکہ یہی اوسکا مقصد اور ذاتی کمال ہے۔ کیا یہ قابلیت اوسکی ذاتی پیدا کی ہوئی ہے نہیں بلکہ قانون قدرت یہی ہے کہ ایک بیج کو لے لیجئے کہ وہ بیج سے پودا اور پودے سے درخت بنجاتا ہے انسانی نطفہ ایک بچے کی شکل اختیار کرتا ہے اور پھر ایک قدآور انسان بنجاتا ہے غرضکہ ہر ایک چیز اسی قانون کی تابع ترقی پذیر واقع ہوئی ہے۔ حیات انسانی بھی ایک خاص ترکیب اپنے ساتھ لائی ہے جس سے دل و دماغ اور احساسی قوت کا نشو نما ہوتا ہے اور بالآخر علم اخلاق فلسفہ اور مذہب کی خوشنما صورتیں اختیار کرلیتی ہے۔

ڈاکٹر اور حکیموں نے ہمارے جسم کے اعضا کے کچھ نہ کچھ نام رکھکر اونکی تھوڑی بہت

تشریح بھی کر دی ہے لیکن غیر مادّی چیزیں اعضائے جسمانی میں اور بھی ہیں جنکی تشریح کسی قدر دشوار ہے اسلئے اونکی ظاہری حالات معلوم کرنے کی غرض سے ہمیں کسی قدر گہرائی میں جانا پڑیگا اور علم التشریح ہمارے اس سبق کی بسم اللہ ہوگی تاکہ الفاظ کے ذریعہ سے ہم اپنا مافی الضمیر ادا کر سکیں۔
آؤ سب سے پہلے ہم اس بات پر غور کریں کہ انسان کا یہ کثیف جسم کس چیز سے بنا ہوا ہے ہم اسکی تحقیقات کے بعد اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ ایک اوسط درجہ کے جوان آدمی کا وزن ستّر سیر ہوتا ہے جسمیں باون سیر پانی خون اور گوشت میں ملا ہوا ہوتا ہے بقیہ اجزا ہڈی ناخون وغیرہ کے معائنہ سے معلوم ہوگا کہ یہ سب کا سب آکسیجن۔ نائٹ روجن۔ ہائڈروجن۔ اور کاربونک ایسڈ گیس کی ایک ترکیب کیمیائی کا نتیجہ ہے۔ پانی کیا ہے درصل دو گیسوں کا مجموعہ ہے اور ہوا بھی آکسیجن اور نائٹروجن سے بنتی ہے جسمیں کسی قدر رطوبت بھی شامل رہتی ہے پوراتی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے جسم کے اجزا سات سال کے اندر قطعی تبدیل ہو جایا کرتے ہیں گویا جسمانی لحاظ سے ہم وہ نہیں رہتے اور ہمیشہ نئے مادّے سے ہماری نشو و نما ہوا کرتی ہے غرضکہ یہ ایک ایسا شعلہ ہے جو ہمیشہ نئے تیل سے جلا کرتا ہے اور پرانی والے ذرّات کچھ عرصہ کے بعد بتدریج غائب ہو کر اونکی جگہ بجنسہ اوسی قسم کے دوسرے ذرّات نامعلوم طور پر شامل ہوتے رہتے ہیں ؎

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام
ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

غرضکہ فنا کا سبق ہماری گھٹی میں پڑا ہوا ہے جو کہ ابتدائی غذا ہوتی ہے۔
روح ایک ایسی نایاب قوت ہے جو اس مادّی ترکیب کو برقرار رکھتی ہے اور

را ایک خاص مدت تک منتشر نہیں ہونے دیتی۔
انسان بالطبع سہولیت پسند واقع ہوا ہے اور تحقیقات کا بار اس کو گراں
گذرتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے تحقیقات انسانی کو دشوار دیکھکر
اپنی توجہ دوسری طرف مائل کر دی ہے اس سلئے علم الامراض وغیرہ میں
تو ضرورتاً یا مجبوراً انسان نے ایک خاص حد تک دسترس حاصل کر لی ہے
لیکن علم روحانی میں جو انسان ہی کے جسم کا ایک اعلیٰ جزو ہی وہ عام ترقی
نہیں کی جیسی کہ کرنی چاہیئے حالانکہ اُس کے کارآمد ہونے سے کسی زمانے
میں کسی قوم نے بھی انکار نہیں کیا۔ قدرت کاملہ بخیل نہیں ہے پس یہ ناممکن
ہے کہ ایک بارے میں تو اُس نے کافی وسائل بہم پہونچا دیئے ہوں اور دوسرے
امر میں ترقی کرنے کے لئے انسان کو کافی امداد نہ دی ہو۔ جس طرح پر جسمانی
امراض کے واسطے دوائیں پیدا کی ہیں اسی طرح پر روحانی امراض کے
بھی بکثرت نسخے موجود ہیں جو پیغمبروں کے ذریعہ سے ہم تک پہونچائے
گئے ہیں اور قوموں کے پاس وہ کارآمد نسخے آجتک محفوظ ہیں۔ اُن کے
پُراثر اسباق آجتک زبان زد خلایق ہیں اون کی دل ہلا دینے والی آوازیں
آجتک کانوں میں گونج رہی ہیں اور اس روحانی عام ترقی نہ ہونے کی
غالباً یہ وجہ ہے کہ نفس پروری کے واسطے میٹھی شراب یا شربت کے
مزے لیکر پینا زیادہ خوشگوار معلوم ہوتا ہے اور مرض کو دور کرنے والی
کڑوی دوا ناگوار معلوم ہوتی ہے یہ محض انسانی خاصہ ہے ورنہ بالطبع
انسان نیکی سے نفور نہیں ہے اور ہمیشہ اوس کی یہی خواہش رہا کرتی ہے
کہ اُسکا جسم امراض سے محفوظ رہے۔
قدرت کاملہ نے ہماری تندرستی قایم رکھنے کے واسطے ہمیں اُس کے

ا۔ یا سب بھی ہم پہونچا دیتے ہیں لیکن ہماری آزادی اور مصنوعیت نے انکو بے ڈر اور ناکارہ بنا دیا ہے جن کا اثر بھی کم ہوگیا ہے۔ ہم بیشمار مرض ہیں اور انہیں امراض خود پیدا کردہ کی دوا بھی ہیں۔ دیکھئے کہ ہمارے جسم میں بکثرت زہریلے کیڑے ہیں جو خون میں شامل ہیں اور ساتھ ہی ایسا مادہ بھی ہے جو ان کیڑوں کو ہلاک کر ڈالتا ہے بعینہٖ یہی حالت امراض روحانی اور انکے علاج کی ہے۔

انسان کا دل کوئی ایسا ٹکڑا نہیں ہے جو دوسری چیزوں سے کاٹ کر بنا لیا گیا ہو بلکہ خود ایک ایسا بڑا اعظم ہے جس میں اور بہت سے اجزا شامل ہیں۔ اس میں احساس کا مادہ بھی ہے جس کی بدولت کبھی ہم ہنستے اور کبھی روتے ہیں مگر یقین جانو کہ یہ زندگی کا لوازمہ اور ایک ایسا اچھا پہرہ دار ہے جو آنے والی مصیبت اور تکلیف سے ہمیشہ باخبر رکھتا ہے تاکہ ہم اسکے دفعیہ کی مناسب تدبیر کرسکیں۔

یہ عام حالت ہے کہ جب بدقسمتی سے خدانخواستہ کوئی مصیبت پڑ جاتی ہے تو صبر و استقلال سے کام نہیں لیتے بلکہ رو پیٹ کر اس کو اور بھی زیادہ بدمزہ بنا دیتے ہیں۔

شورش سے کر رہا ہوں غم زیست کا علاج
سمجھا ہوں درد دل کی دوا درد سر کو میں

کبھی ہم زمانہ مستقبل کی حالت پر نگاہ ڈالکر افسردہ ہوجاتے ہیں اور ہماری حقیقی مسکراہٹ میں اداسی کی آمیزش ہوجاتی ہے لیکن غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے غمگین اور پریشان کرنے والی چیزوں میں مادی اور فانی اشیاء کو بہت بڑا دخل ہے لیکن جو خوشی اور غم

کی ماہیت سے واقف ہو گئے ہیں نہ ان کے منہ سے آہ نکلتی ہے
نہ لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوتی ہے۔

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر ۔ آرے شود ولیک بخون جگر شود
اے دل صبور باش و مخور غم کہ عاقبت ۔ ایں شام صبح گردد و ایں شب سحر شود

سب سے زیادہ رنج و غم کے گیت در اصل ہمارے واسطے خوشی
کے گیت ہیں۔ جیسا کہ شاہزادہ سدہارت نے دیواس کے گیتوں میں
بیان کیا ہے کہ ہم کیا ہیں؟ ہم ہوا کے جھونکوں کی آواز ہیں جو قیام کے
واسطے آہ کرتی اور سسکی لیتی ہیں۔ لیکن قیام۔ آرام و چین ایک پل کا
بھی نصیب نہیں ہوتا ہے اس لئے ہوا کی مثال ہو کر وقت نزع تک
آہ کرو سسکی لو۔ کیا اسی کا نام حیات ابدی ہے؟ نہیں بلکہ یہ سسکی یا
رنج ہمارے راستے کی خاردار جھاڑیاں ہیں جن کو دانائی سے طے کر کے ہم
خوشنما مرغزار مقام میں پہونچ جاتے ہیں اور وہ سکون یا وقفہ جو ہمیں ایک
سسکی سے دوسری سسکی تک نصیب ہوتا ہے ہمارے قیام کی پر فضا
چوکیاں ہیں جن میں ایک ساعت آرام کے بعد ہم پھر مستعد ہو جاتے ہیں۔

غم ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

کسی نے بقراط سے پوچھا کہ تم میں غم کا اثر کیوں نہیں ہے کہنے لگا
اس لئے کہ میں وہ چیز ہی نہیں رکھتا جس کے جاتے رہنے کا مجھے
افسوس ہو۔ بجائے اس کے کہ خام خیالی سے ہم دنیاوی چیزوں کو ساتھ
لیجانے کے خیال میں غلطاں و پیچاں رہیں کہیں اچھا تو نہیں ہے کہ اس
لئے صبر ہی میں ہیں اس چیز کو بھی چھوڑ جانا پڑے (جسم) جسکو ہم اپنا سمجھے

ہوئے ہیں اور جس کی خاطر ہم انواع و اقسام کی تکالیف اور پریشانیوں کے شکار ہو رہے ہیں ؎

با زیاران چشم یاری داشتیم　　　خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

اصلیت یہ ہے کہ انسان عجیب و غریب رازوں کا مجموعہ ہے کبھی کبھی تو جان بوجھ کر اور کبھی نادانی کی حالت میں معاملات میں اس قدر گھبرا جاتا ہے کہ اون کو کبھی تقدیر اور کبھی تدبیر کے حوالہ کر دیتا ہے اور دونوں میں سے کوئی ایک حالت بھی ایسی نہیں ہوتی جس پر اُس کو قدرت حاصل ہو وہ کبھی تو ناکامی سے سر پھوڑتا ہے کبھی جھوٹی اور سچی امیدوں سے دل بہلاتا ہے کبھی دہوکے اور کبھی جھوٹ سچ سے اپنی مقصد براری کرنا چاہتا ہے اور کبھی بیجا خواہشات کا شکار ہوتا ہے الغرض بیش قیمت زمانہ عمر کا اسی کش مکش میں بسر ہو جاتا ہے اور ان تدابیر غیر اصولی سے مرتے دم تک اُس کی مقصد براری نہیں ہوتی ہر۔ کسی نے سقراط سے سوال کیا کہ اگر تمہارا مٹکا ٹوٹ جاوے تو تم کیا کروگے اُس نے کہا کہ اگر مٹکا پھوٹ جاوے گا تو اوس کی جگہ تو نہیں ٹوٹ جاوے گی۔

کلیرج کا مقولہ ہے کہ انسان کے پاس تین خزانے ہیں محبت روشن ضمیری اور ایسے خاموش خیالات جیسی بچے کی باقاعدہ سانسیں اور یہ تینوں ایسے مشفق دوست ہیں جیسے کہ دن اور رات کا مشاہدہ یعنی اپنا وجود اپنا پیدا کرنے والا اور موت کا فرشتہ۔ وہ کہتا ہے کہ اگر صحیح اور بہترین نتیجہ افعال کا دارومدار ہماری کمزور عقل ہی کی صحیح جانچ پر ممکن ہوتا تو ہر شخص اوس پر قادر ہو جاتا اور نقصان جسم و مال سے محفوظ رکھنے

سکے لئے اگر کوئی تدبیر انسان کے قبضۂ قدرت میں ہوتی تو میں اوس کا ضرور عامل ہوتا لیکن افسوس یہ اس وجہ سے ممکن نہیں ہے کہ اُس نے اپنی صفات کا بہت ہی تھوڑا حصہ ہمیں عطا کیا ہے اور اس میں بھی اجزائے مخالف کی آمیزش کردی ہے جس سے انسان اپنی صحیح حالت اور کمزوریوں کا مشکل سے اندازہ کرسکتا ہے۔

خوش باش کہ عالم گذران خواہد بود ۔۔۔ روح از پئے تن نعرہ زنان خواہد بود
این کاسہ سرہا کہ تو بینی یک چند ۔۔۔ زیر قدم کوزہ گران خواہد بود

افلاطون کا قول ہے کہ کبھی انسان کو زندگی میں ایسے سامان بہم پہونچ جاتے ہیں کہ وہ مرنے کے بعد نجات حاصل کرنے کے لئے عمل کرے کیا یہ نہیں دیکھتے کہ جو لوگ موت سے پہلے غذا میں کمی کرتے ہیں اور جسم کو سبک بناتے ہیں وہ جسم کو بہت دیرپا کرلیتے ہیں۔

مکن ز غصہ شکایت کہ در طریق ادب
براحتے نہ رسد آنکہ زحمتے نہ کشید

اسی طرح جب فضیلتوں کو اختیار کرتے اور کمینہ خصلتوں سے بالاتر ہوجاتے ہیں تو شہوت اور غضب کو ان سے زیادہ تعلق نہیں رہتا اور نفس ناطقہ آرام پاتا اور نجات سے روکا نہیں جاتا ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔ یعنی تم کھاؤ پیو اللہ کا رزق اور اس کی دی ہوئی نعمت کو مگر فساد کرتے مت پھرو فساد کرنے والوں کی طرح پر اِس کے یہی معنی ہیں کہ دنیا میں جس قدر فساد پیدا ہوتے ہیں وہ اعتدال سے زیادہ کھانے پینے سے ہوا کرتے ہیں شہوت۔ غضب۔ غصہ اور تمام قسم کے روحانی اور جسمانی امراض اسی کی

بے اعتدالی سے پیدا ہوتے ہیں اس قسم کی نفسانیت کے مریضوں
کو جو ضرورت سے زیادہ مغرب ہو رہے ہیں ایک دن ایسا ہوگا جبکہ
اُن کا تمام غرور خاک میں مل جاوے گا وہ انکساری اور بنی نوع انسان
کے ساتھ محبت کے تمام دروازے ختم کر دیں گے غرضکہ اس قسم کے مریضوں
کو جن کی آنکھوں پر سیاہ شیشوں والی عینک چڑھی ہوئی ہو اور جن کو
صرف اپنا آپا ہی نظر آتا ہو سمجھ لو کہ وقت پیٹھ پھیر کر تر لقمے ملجاتے
کے یہ سب کرشمہ ہیں۔ اس بات کے لئے کہ نفس ناطقہ جسم سے جدا
ہونے کے بعد موجود رہتا ہے بڑی دلیل یہ ہے کہ مرنے کے بعد ہی کچھ
عرصہ تک ہوائی جسم یعنی اسٹرل باڈی قایم رہتا ہے حالانکہ وہ ذی حیات
کے جزو میں سے ایک ادنیٰ حصہ ہوتا ہے اور یہ نہیں سکتا کہ جو افسر
اعلیٰ ہو اس کی بقا اُس سے کم ہو جس کا وہ افسر ہے۔ گویہ قوتیں یعنی
نفس اور روح غیر مادی ہیں لیکن اجسام مادی سے ان کا تعلق ایسا
ہی قریب ہے جیسا کہ چولی دامن کا۔ ڈاکٹری تشریح کے مطابق ہمارے
جسم کے تین حصے ہیں یعنی اعضاے حیات۔ اعضاے دماغی حس و
حرکت و پرورش۔ ہمارا جسم گویا ایک متحرک صندوق ہے جس کے
اندر بے شمار خانے ہیں۔ جن میں یہ بیش بہا خزانہ ید قدرت نے محفوظ کر دیا
ہے۔ اعضاے پرورش کا بڑا تعلق آگ پانی اور خاک سے ہے یہ چاروں
اعضائے پرورش کو حرکت دے کر اپنے لئے خوراک فراہم کرتے ہیں۔
تاکہ جسم برقرار رہے۔ غذا سے خون بنتا ہے اور یہ سب خون پیدا کرنے
کے اسباب ہیں۔

اعضاے حس و حرکت وہ ہیں جن کا تعلق دماغ سے ہے اور جو اعضائے

پرورش کے واسطے خوراک مہیا کرتے ہیں اور اس طرح یہ صندوق متحرک ہے دماغ اعضائے جسمانی و نقل و حرکت کا وہ اعلیٰ حصہ ہے جہاں سے کہ اعضائے نقل و حرکت کے تمام احکامات جاری ہوتے ہیں ان کی تفصیلی رپورٹیں وصول ہوتی ہیں اس متحرک مشین کا یہی صدر دفتر ہے جس میں کام کرنے والے بکثرت ہیں اور ایک سکنڈ کے واسطے بھی بیکار نہیں بیٹھتے ہیں اکثر اصحاب جنہوں نے اس طرف توجہ نہیں کی ہے ممکن ہے یہ خیال کرتے ہوں کہ انسان کے جسم کا جس قدر اندرونی حصہ ہے اسی قدر اس میں زیادہ احساس ہے کیونکہ کھال اور گوشت کی باریک سے باریک جھلی سے شروع ہو کر بتدریج ہر ایک تہ مضبوط ہوتی چلی آئی ہے اور سب سے اوپر کی تہ میں نسبتاً احساس کا مادہ بہت کم ہے۔ اصلیت یہ ہے کہ بیرونی کھال بطور ایک پہرہ دار کے ہے جو جسم کے اندرونی اور زیادہ باریک حصہ کو آنے والی مصیبت یا تکلیف کی خبر پہونچا دیتی ہے اور اسی طرح پر خون کی حرکت والی تار برقی کے ذریعے سے دماغ تک اس کا اثر پہونچ جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بلا جسم کے چھوتے کے بھی احساس پیدا ہوتا ہے اسکا سلسلہ کچھ اور ہی ہے۔ دل و دماغ جو خیالات محسوسہ کے خزانے ہیں وہ بھی اپنی تیز تار برقی سے ہمارے جسم کو راحت یا تکلیف سے باخبر کر دیا کرتے ہیں۔

قبل اس کے کہ اس مضمون میں ہم آگے قدم رکھیں ہمیں دو عالم قائم کر لینے چاہئیں۔ یعنی عالم ناسوتی (دنیا) عالم لاہوتی (عالم ارواح) اور یہی موجودات عالم کا وہ راستہ ہے جس سے گذر کر معراج کمال

تک پہونچا دیتا ہے میں اپنے خیال کے مطابق نفس مطمئنہ کو روح
کے نام سے نامزد کرتا ہوں شاید اور بہی اس کتاب میں ایسے حسن کثرت
الفاظ ملیں جنکو میں نے محض اپنا مافی الضمیر ادا کرنے کے واسطے
منتخب کیا ہے اور دوسری کتابوں میں اون کے دوسرے معنی لئے
گئے ہوں اور نفس امارہ کو محض نفس کے نام سے اس لئے بیان کیا
ہے کہ اس صورت سے مضمون کسی قدر سریع الفہم ہوجاتا ہے - اسی
طرح پر اگر اون کے متوسلین کی تشریح کی جاوے گی تو یہ صورت پیش
آوے گی کہ پاکیزگی معرفت اخلاق کا تعلق روح سے ہوگا اور مطمئنہ -
ناطقہ اور حیوانیہ کا تعلق نفس سے ہوگا -

اگر اسی مقدمہ کو کسی قدر زیادہ واضح طور پر سمجھانے کی غرض سے دو
دائرے اس طرح پر بنائے جاویں کہ ایک دائرہ دوسرے کے ٹھیک
درمیان میں ہوکر گذر جاوے تو دونوں کے درمیانی حصے کو ہم عقل کے
معزز نام سے موسوم کریں گے اور یہ وہ مقام ہوگا جہاں کہ فریقین نفس و
روح کے اختلافات کا نتیجہ نکلتا ہے - چونکہ مادیات کے دریافت
کو احساس اور غیر مادی شئے کے جاننے کو ادراک کہتے ہیں جن کے
واسطے ہمیں چند اور ناموں کی ضرورت پیش آتی ہے روح اور عقل
کے پانچ آوٹ پوسٹ حس مشترک - حافظہ - خیال وہم اور قوت
متصرفہ یا شعور کہتے ہیں اور اسی طرح پر دوسری جانب نفس کے
آوٹ پوسٹ ذائقہ - لامسہ - سامعہ - باصرہ اور شامہ ماننے پڑینگے
اس مساوی تقسیم کے بعد یہ خیال کر لینا غلطی ہوگی کہ اون کی باہمی
قوت یکسان رہ جاتی ہے نہیں بلکہ اکثر اون کی حالتوں میں تغیر واقع

ہوا کرتا ہے اور نفس کو زیادہ زور غالباً اس وجہ سے ہوجایا کرتا ہے کہ یہ طبعی عنصر دق کثیفی مادّی ہے اس لیئے نفس کی ماتحت فوج زیادہ قوی ہوجاتی ہے اور اس طرح پر اس چہار دیواری میں اُس کو اپنے افعال میں جا اور بیجا زیادہ آزادی حاصل ہوجاتی ہے اور روح قطعی غیر جنس ہونے کی وجہ سے دب جاتی ہے ان تمام ترکیبی اعضائے جسمانی کے افعال زیادہ واضح طور پر اس طرح سمجھے جا سکتے ہیں کہ اگر جسم انسانی کو تھوڑی دیر کے لیئے ایک محکمہ خیال کر لیا جاوے تو انہیں سے ہر ایک کے افعال اور فرائض حسب ذیل ہونگے۔

روح۔ جسم کی اُس قوت کا نام ہے جس کی رغبت ہمیشہ نیکی کی طرف ہوا کرتی ہے اور یہ انسان کو نیک ہدایت کرنے اور راہ راست پر لانے کی کوشش کیا کرتی ہے۔ علم معرفت کی راہ کشائی کرتی ہے جس کے واسطے امر ربی کسی قدر صحیح تعریف ہے۔ روح کو عالم غیب یا عالم روحانی یا عالم آخرت سے نامزد کرنا اصل کو اصل تک پہونچا دینا ہے۔

لے گلم نے بلبلم نے شمع نے پروانہ ام

عاشق حسن خودم بر حسن خود دیوانہ ام

نفس۔ جسم کی اُس کثیف قوت کا نچوڑ ہے جو روح کے خلاف ہمیشہ برائی کی طرف متوجہ کیا کرتا ہے۔ نفس حیوانیہ جو جسم کے کسی قدر قریب ہے نفس ناطقہ جو وسطی ہے اور نفس مطمئنہ جس کا زیادہ تر تعلق روحانیت سے ہے۔

عقل۔ اون دونوں قوتوں کا وہ نتیجہ ہے جو باہمی تنازعہ نفس اور روح کا فیصلہ کیا کرتی ہے اور بالآخر کسی نتیجہ پر پہونچا دیتی ہے۔

نورِ عرفاں عقل کے پردہ میں پنہاں ہو گیا
ہوش میں آنا حجابِ روئے جاناں ہو گیا

حسِ مشترک۔ ایک قسم کا محرر ڈاک ہے جو تمام دعوے اور اپیلیں ضروری جو منجانب نفس اور روح پیش ہوتی ہیں اُن کو وصول کرنے اور طے شدہ کاغذات کو واپس محافظ خانہ بھیجدینے کا ذمہ دار ہے۔

حافظہ۔ گویا محافظ دفتر ہے جو ہر ایک کاغذ کو ترتیب سے رکھتا اور حسبِ ضرورت پیش کرتا رہتا ہے۔

خیال۔ ایک مصور ہے جو صورت ہائے محسوسہ کے نقشے تیار کر کے قبل اس کے کہ کسی نئے اختراعات کی بنیاد ڈالی جائے حاکم کے روبرو پیش کیا کرتا ہے۔

وہم۔ ایک ایسا مشیر قانونی ہے جس کو صورت ہائے محسوسہ کے تمام و کمال معانی کا ادراک ہوا کرتا ہے کھوٹی اور کھری چیز برائی اور بھلائی کا امتیازی فرق اسی کے ترازو میں تولا جاتا ہے اور اس طرح پر ایک بروحکیٹ کے فرضی نقوش تیار رکھتا ہے۔

شعور۔ اس قوت متصرفہ کے اختیارات کسی قدر زیادہ ہیں جو کہ صورت محسوسہ یا معانی مدرکہ میں تصفیہ کرتی رہتی ہے۔

فزیالوجی نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ دماغ اور جسم کے اعضا کے درمیان خبر رسانی کے بکثرت ٹیلی فون ہیں جو کہ ۲۸ میٹر فی سکنڈ کے حساب سے جلد تر دماغ میں خبر پہونچاتے رہتے ہیں یہ تمام اہلکار اسی طلسمی صندوق میں بند ہیں جن کی امداد کے واسطے سیکڑوں سپاہی پیادے عضو اور مفصل کے نام سے متعین ہیں جو کہ حکم کے ساتھ ہی فی الفور

عملی صورت میں تعمیل شروع کر دیتے ہیں۔

غرضکہ جب روح تمام سامان تکمیل کر لیتی ہے تو حکم ہوتا ہے کہ اے نفس مطمینہ اب تیرا دور دورہ پورا ہو چکا تو خوش ہو جا اور بہترین زندگی حاصل کرنے کی فکر کر اس حکم کی تعمیل اس طرح پر ہوتی ہے کہ ماں اور باپ کا نطفہ بنتا ہے اور آپس میں ملکر مادہ حیات کی بنا قایم ہوتی ہے جس کو انگریزی میں پروٹوپلزم۔ اوداپا۔ بارسیر شہزادا کہتے ہیں اس کے بعد رفتہ رفتہ رگیں اور شریان وغیرہ بنتے ہیں پوری تکمیل کے بعد اس مجسمہ کو بقیہ تمام و کمال قوتیں عطا ہو جاتی ہیں اور اسطرح پر انسان امتحان کے میدان میں قدم رکھتا ہے۔

این خرقہ کہ من دارم در رہن شراب اولی
وین دفتر بے معنی غرق مے ناب اولی

یعنی یہ جسم یعنی لباس ظاہری اگر روح کے ساتھ عشق الہی میں سرشار نہیں ہے تو اس سے تو یہی بہتر ہے کہ دفتر بے معنی یعنی عقل و ہوش اس سے جدا کر لئے جاویں۔

چون پیر شدی حافظ از میکدہ بیرون
رندی و خراباتی در عہد شباب اولی

یعنی بڑہاپے میں روحانی جوش بھی کم ہو جاتا ہے اور جوانی جو کام کی چیز تہی تو وہ پہلے ہی شباب کے شوق اور ولولوں کی نظر ہو جاتی ہے اس لئے ایسی زندگی لاحاصل اور بیکار ہے۔

اَلَمۡ یَكُ نُطۡفَةً مِّنۡ مَّنِیٍّ یُّمۡنٰی ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰی فَجَعَلَ مِنۡهُ الزَّوۡجَیۡنِ الذَّكَرَ وَ الۡاُنۡثٰی اَلَیۡسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ

عَلٰی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی کیا وہ ایک منی کی بوند نہ تھا جو ٹپکی پھر لہو کی پھٹکی پھر خدا نے اوسے پیدا کر کے اس کی خلقت کو کامل اور ٹھیک کیا پھر اس سے دو قسم نر اور مادہ بنایا کیا ایسا صانع اور خالق اس بات پر قادر نہیں کہ مردہ کو پھر زندہ کر دے۔ اس آیۃ شریف میں دیکھو اللہ رب العالمین نے انسان کی پیدائش کی حکمت اور مصلحت اُس کی ابتدا اور انتہا کس خوبی سے بیان کی ہے۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ خدایا تو نے یہ سب کچھ عبث اور بے فائدہ نہیں بنایا تیری ذات لغویات سے پاک ہے تو ہمکو دوزخ کے عذاب سے بچا۔

الغرض اس جسم خاکی میں جہاں ایک طرف یہ سب کچھ ساز و سامان ہیں پانچ قوتیں اور بھی ہیں جن کو ماہرین کے نام سے تعبیر کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

ذائقہ۔ یہ وہ قوت ہے جس کے ذریعہ سے چکھ کر کڑوی اور میٹھی وغیرہ چیزوں کی تمیز ہو سکتی ہے۔

لامسہ۔ یہ وہ قوت ہے جس کے ذریعہ سے چھو کر ہر ایک گرم و سرد وغیرہ اشیاء کا بخوبی احساس ہو سکتا ہے۔

سامعہ۔ اس قوت سے سنکر اچھی یا بری باتوں کی تمیز کیجا سکتی ہے۔

باصرہ۔ اس قوت سے دیکھ کر کسی چیز کی حقیقت اور ماہیت معلوم ہو سکتی ہے۔

شامّہ۔ اس قوت کے ذریعہ سے سونگھ کر خوشبو اور بدبو کا کافی احساس ہو سکتا ہے۔

قلب۔ یہ وہ منقلب یعنی لوٹنے پلٹنے والا جسم کا مختصر حصہ ہے جو تعلقات جسم و روح کا گویا خزانہ ہے یہ وہ گھاٹی ہے جس کو بلا کٹے ہوئے روح تک رسائی ناممکن ہے یہ صندوق کی وہ طلسمی کنجی ہے جس میں عجائبات عالم کا بہت کچھ راز پنہاں ہے یہ وہ مقام ہے جہاں پر نفس اور روح کے راستہ ملکر دو مختلف اطراف میں چلے جاتے ہیں یہ ایسا راز دار مشیر ہے جس سے اس طلسمی صندوق کے بہت کم راز پوشیدہ ہیں غور کرنے والوں کو اُس کی حرکت سے جو ڈاکٹری آلے سے کان لگاکر بخوبی سنی جاسکتی ہے ایک عجیب غریب قوت کا پتہ چلتا ہے کہ جس نے اس ذرا سے ٹکڑے میں یہ حرکت پیدا کردی ہے یہ ٹکڑا ہر ہر سکنڈ پر زمانے کے عبرت انگیز تغیر کا بجنسہ نقشہ پیش نظر رکھتا ہے۔

مانندِ مرغ باش ہاں بر بیضۂ دل پاسباں
کز بیضۂ دل زائدت مستی و ذوق و قہقہا

عقل۔ یہ حاکم اس محکمہ کا ایک حیثیت سے گویا جنرل سپرنٹنڈنٹ یا ایک خود مختار حاکم ہے تاہم اس کی آزادی محدود ہے اور قانون قدرت کے دائرہ اعتدال سے تجاوز نہیں کرسکتی اُس کے فیصلوں اور افعال کی خفیہ پولیس کے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً جانچ ہوتی رہتی ہے جو بلاکم و کاست اس کے فیصلوں کا نوٹ تیار کرکے عدالت عالیہ احکم الحاکمین کے روبرو پیش کردیا کرتے ہیں۔ ان خفیہ نوٹوں کے پہونچنے پر یہ حاکم عقل مختلف ترکیبوں سے ہوشیار کیا جاتا ہے مختلف سزاؤں سے بیدار کیا جاتا ہے اگر اس کو اپنی غلطی کا کسی صورت سے احساس

ہوگیا اور توبہ استغفار یا عاجزی اور انکساری سے معافی مانگ لی تو امثلاتِ بداعمالی اس عظیم الشان دفتر میں تلف کردی جاتی ہیں اور مرتے دم تک اس کو اصلاح کے موقعے دیئے جاتے ہیں بلاشبہ عقل کی حالت نہایت نازک اور امتحان سخت ہے اور ذراسی غفلت اور بے عنوانی میں معاملات دگرگوں ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

مابصد خرمن پندار ز رہ چوں نہ رویم

چوں رہ آدم خاکی بہ یکے دانہ زدند

اسباب کو ختم کرنے سے پہلے اگر میں نے اجتماع ضدین کے بارے میں کچھ بیان نہ کیا تو گویا ایک کام کی بات رہ گئی۔

کس راز پس پردہ قضا راہ نہ شد ٭ وز سرِ خدا ہیچ کس آگاہ نہ شد

ہر کس ز سر قیاس چیزے گفتند ٭ معلوم نہ شد و قصہ کوتاہ نہ شد

جب غوطہ خور غوطہ لگاتا ہے تو کبھی سیپیاں اور موتی اس کے ہاتھ آتے ہیں اور کبھی کنکر پتھر جب ہم تھوڑی دیر کے لئے اس خیالی عقاید کے دائرہ سے باہر قدم رکھ کر ایک ایسی بے غل و غش آزاد زندگی میں پہونچ جاتے ہیں جہاں نہ مذہبی قیود ہیں نہ رسم و رواجی حجاب ہیں تو ہم ادہر ادہر بھٹکنے لگتے ہیں لیکن معاملہ فہمی کے لئے اگر نتیجہ بہتر نکلنے والا ہو تو جویندہ کہلانا کوئی عیب کی بات نہیں۔ عقاید اور مذہب میں فرق ہے کیونکہ عقاید دراصل وہ باتیں ہیں جن کو انسان بچپن سے دیکھتا اور سنتا ہے اور وہ خیالات جو دراصل اس کے ذاتی نہیں ہوتے بلکہ دوسروں کے ہوتے ہیں اس کے دماغ میں اس قدر گہرے نقوش پیدا کر لیتے ہیں کہ جنکا نکلنا کچھ آسان نہیں ہوتا اور مذہب ایک

جیدا گانہ چیز ہے جس کو سوچ بچار کر اختیار کرنے کی ضرورت ہے اگر ایسا نہیں ہے تو وہ محض دنیاوی لحاظ سے ایک قسم کی گروہ بندی ہے اور محض تضیع اوقات ہے۔ مذہب کیا ہے دنیاوی زندگی اور آخرت کے واسطے ایک بہترین اصول قائم کرنا ہے اگر یہ بھی نہیں ہے تو روحانیت سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا پھر یہ معلوم کر لینا کہ اختلافات مذہبی میں کون صحیح یا غلط راستے پر ہے کچھ آسان بات نہیں اختلاف کیا ہے خیالات کی ضد ہے۔

گل جو چمن میں ہیں ہزار انکی ظفر ہے کیا بہار
سبکا ہے رنگ الگ الگ سبکی ہے بو الگ الگ

جس طرح پر صورتیں انسانوں کی ایک دوسرے سے مختلف ہیں اسی طرح پر ہر ایک کے خیالات بھی مختلف ہیں اور یہ امر قابل غور ہے کہ اُن خیالات کے صحیح یا غلط معلوم کرنے کا دراصل کیا معیار ہے۔ اگر کانشنس یا ضمیر مان لیا جاوے تو وہ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں یعنی ایک سچا اور ایک جھوٹا کانشنس۔ ہم اپنی عقل سلیم قوت تمیز یہ قوت فیصلہ کی صحیح جانچ اور پڑتال کے بعد ایک کام کرتے ہیں اور اس میں بیشتر غلط فہمی واقع ہوتی ہے یہ تو ہمارا سچا کانشنس ہے اور غلط کانشنس وہ ہے کہ ہم اس بات کو جانتے ہیں کہ فلاں عادت بُری ہے لیکن بیجا تاویلوں سے اپنے دل کو سمجھا کر اوس کو جائز قرار دیدیتے ہیں غرضکہ یہ اجتماع ضدین ایک ایسا عجیب و غریب مسئلہ ہے جس کو کبھی غلط فہمی اور کبھی اختلاف رائے سے تعبیر دیجاتی ہے میرے خیال میں یہ ایسا دلچسپ سبق

ہے جس پر امن وامان خلائق کا بہت کچھ انحصار ہے۔ یہ ایک ایسا
نشہ ہے جس میں ہر شخص متوالا ہو رہا ہے اس میں نفسانیت اور
ضد کی ایسی مناسب چاشنی ہے جس کا سرور آخر دم تک رہتا ہے

بیا بادہ کہ رنگین کنیم جامۂ دلق
کہ مست جام غروریم و نام ہشیاریست

کیا تماشہ کی بات ہے کہ انسان ایک بات سوچ سمجھ کر کہتا ہے
اور پھر سمجھتا ہے خوب جانچ پڑتال کر ایک کام کو کرتا ہے اور پھر اپنے کئے
پر نادم ہوتا ہے۔ ایک تو سومنات کو اپنا کعبہ مقصود خیال کرتا ہے دوسرا
انہی کو شرک اور بدعت خیال کرتا ہے اس خیال کے بعد عقلمند اور
بیوقوف محض ایک فرضی نام معلوم ہوتے ہیں۔ اس بارہ میں سرسید
مرحوم کا یہ خیال ہے کہ ہر ایک انسان فی نفسہ ایک جداگانہ مخلوق
ہے اور ہر ایک کا ضمیر اوس کی خود رہنمائی کیا کرتا ہے اس لئے مجموعی
اتحاد کانشنس کی کچھ ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر ایک کو اپنے ہی
کانشنس پر چلنا چاہئے کیونکہ ابھی تک یہ پورے طور پر ثابت نہیں ہوا
کہ کانشنس درحقیقت ایک جداگانہ مخلوق قوت انسانی کی رہنمائی
کے لئے ہے بلکہ اسوقت تک جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ یہ
طبیعت کی ایک حالت ہے علاوہ اس کے جبکہ ہر ایک کا کانشنس
اُسکا رہنما ٹھیرا اور ایک دوسرے کے کانشنس میں اختلاف اور
تناقص کا وجود بالیقین پایا گیا تو ان دونوں کا صحیح ہونا بھی جو ایک
دوسرے کے نقیض ہیں ماننا پڑے گا شاید تناقص نسبت یا
حیثیت کی مدد سے رفع کیا جاوے کہ رام دین کا مہادیو کی مورت

کو پوجنا اس لیئے نیک ہے کہ وہ اوس کو اپنے نزدیک صحیح خیال کرتا ہے اور محمود غزنوی کا سومنات کے بت کو توڑنا اس لئے مسعود ہے کہ اوسکا کانشنس اُسکو نیک بتلاتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ دنیا میں دراصل نیک اور بد کوئی چیز نہیں بلکہ صرف خیال ہی خیال ہے قبل اس کے کہ اسبارہ میں کوئی نتیجہ نکالا جاوے اِن خیالات عقلی میں شک کی تو مطلق گنجائش نہیں ہے لیکن دراصل بات پھر وہیں کی وہیں رہ جاتی ہے اس لئے اس مسئلہ کو حل کرنے کیلئے سب سے پہلے العلم ودانستن کے معنے کسی قدر واضح طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے کیونکہ کانشنس بھی ایک حدتک علم کا محتاج ہے بشرطیکہ اسکا علم کافی اور شافی ہو خواہ اُسکا ماخذ اوس کی ذاتی کوشش اور جدت ہو یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور انعام اس کے حصے میں آیا ہوا شرف المخلوقات کے دعوے کو پورے طور پر تباہ سکتا ہے پہلے دو صورتیں تکمیل پر پہونچنے سے قبل کبھی کبھی گمراہی کی طرف مائل کر دینے والی ہوتی ہیں جس طرح پر ایک خودرو درخت کی شاخیں کسی ترتیب یا قاعدہ کے اندر نہیں ہوتی ہیں تو انسان کی تربیت دراصل اس کے دل کی اصلاح ہوتی ہے کیونکہ دل انسان کے ہاتھ پیروں کی کنجی ہے مثلاً خوش نویسی میں اعلیٰ صفت دل کی ہے نہ کہ اونگلیوں کی کیونکہ اولاً نقش کتابت کا دلمیں پیدا ہوتا ہے اور اوس کی اونگلیاں اسی صورت کو دل سے لیکر نکالتی ہیں اسی طرح پر جب نیک عادت دل کی صنعت ہو جاتی ہے تو جسمانی حیثیت سے افعال بھی ویسے ہی سرزد ہوتے ہیں اس لئے محض چوری وغیرہ مجرمانہ افعال کر گذرنا ہی جرم نہیں ہے بلکہ درحقیقت وہ ارادہ جو ارتکاب سے پہلے دل میں

پیدا ہوتا ہے وہی اُس جرم کی ابتدا ہوتی ہے لیکن جب تک کہ کوئی ارادہ فعل میں منتقل نہ ہو واضعان قانون نے جرم قرار نہیں دیا کیونکہ بلا افعال کے دلی خیالات اور جذبات کا ظاہر ہونا دشوار ہے اور افعال ہی نیت کو ثابت کیا کرتے ہیں۔ مشہور ہے کہ روز انصاف انسان کے تمام اعضائے جسمانی اس کے نیک اور بدکاموں کی شہادت دینگے اس کے یہی معنی ہیں کہ انسان کے افعال کا ریکارڈ اس فضائے آسمانی میں چکر لگایا کرتا ہے اور کبھی ضائع نہیں ہوتا جس طرح برکہ بلا تار برقی (وائرلس ٹیلی گرافی) کی لہر ہزاروں کوس تک ہوا میں چلی جاتی ہے مشہور ہے کہ خلیفۃ المسلمین مامون رشید نے خواب میں دیکھا کہ ایک محترم شخص تخت پر جلوہ فرما ہیں۔ مامون نے نزدیک جاکر پوچھا کہ آپ کا اسم شریف تخت نشین نے جواب دیا کہ میرا نام ارسطو ہے۔ مامون پر خوشی کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی پھر پوچھا کہ دنیا میں کون سی چیز سب سے بہتر ہے۔ خیالی ارسطو نے جواب دیا کہ "جس کو عقل اچھا کہے" غرضکہ سب کا معیار عقل ہے۔ اسلام کا بھی یہی مطالبہ ہے کہ اُسکے پیرو اپنے ایمان کے بنیادی اصولوں کو محققانہ نگاہ سے دیکھیں۔ حقیقت میں اُس کی ماہیت کو سمجھیں اور فروعات میں نہ پڑیں۔ یہ جو بات کرتا ہے اس میں عقل کو مخاطب کر لیتا ہے جس کو اسلام نے کسی پیچیدگی یا استعارات میں نہیں بلکہ سیدھے سادے الفاظ میں سمجھا دیا ہے اور وہ یہ کہ دائمی خوشی انہیں لوگوں کو ہو گی جو اپنی عقل اور فکر سے کام لیتے ہیں۔ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ یعنی تم غور اور فکر کیا کرو۔ قالو لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ۔ یعنی

دوزخ والے کہیں گے کہ اگر ہم عقل سے کام لیتے تو دوزخ والوں میں نہ
ہوتے۔ اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا
تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ۔ خدا نے توازن قائم کئے تاکہ لوگ بھی وزن میں تجاوز
نہ کریں اور انصاف کے ساتھ اپنی نیک اور بد حالت کو ہر وقت تولتے
رہیں تاکہ کوئی بات اعتدال سے نہ بڑھنے پاوے۔ خواہشات بیجا اور
جذبات ناپسندیدہ کے غیر معتدل ہو جانے سے اخلاق جاتے رہتے ہیں
اور ان کے اعتدال میں رکھنے سے انسان انسانیت کی حد میں رہتا ہے
رہبانیت اسلام میں اسی لئے ممنوع قرار دی ہے کہ اسکا نقصان اس
کے فائدے سے کہیں بڑھ کر ہے جب دنیا میں ایک ایک چیز ایک مقررہ
قانون کے اندر کام کرتی نظر آتی ہے تو کیسے ممکن ہے کہ انسان جو اشرف
المخلوقات ہے کسی خاص مقررہ قانون اور معیار توازن کا ماتحت نہ قرار
دیا گیا ہو۔ سزا اور جزا تو نظام قدرت کے برقرار رکھنے کیلئے ایک لازمی
بات ہے مثلاً صرف رحم کی صفت کو اگر ہر موقع پر استعمال کیا جاوے
تو وہ ظلم اور ناانصافی سے بھی بدتر ہو جاتی ہے دنیا ہی میں دیکھ نہ لو
کہ یہ تمام کچہریاں اور پولیس کیا ہے غصہ اور سزا کا ایک ٹھیک انداز
سے اظہار ہے تاکہ امن واماں میں خرابی واقع نہ ہو اور انسان اپنی
غلطی سے متنبہ ہو کر اعتدال اور توازن کا صحیح انداز قائم رکھے

مجنوں مخبوط الحواس اور ان بچوں کا معاملہ جن کی عقل پختہ نہیں
ہوئی ہے خارج از بحث ہے بقیہ تمام صورتوں میں سارا دارومدار
نیت پر ہے

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ   وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ

جس نے کی ہوگی نیکی ذرّہ برابر وہ دیکھ لیگا اُسے اور جس نے کی ہوگی ذرّہ برابر بُرائی وہ دیکھ لیگا اُسے۔

گفتم اے بخت بخپسید و خورشید دمید
گفت یا اینہمہ از سابقہ نومید مشو

میں نے کہا کہ اے نصیب تو سوتا ہی رہا اور آفتاب نکل آیا اس نے کہا کہ صبر تقدیر کے حوالہ کر اور نا امید مت ہو۔

ہر کہ در مزرع دل تخم وفا سبز نکرد　زرد روئے کشد از حاصل خود گاہ درو

جس نے کہ دل کے کھیت میں وفا کا بیج نہ بویا اپنی پیداوار کے کاٹنے کے وقت یقیناً شرمندہ ہوگا۔

اگر انسان کو نیک و بد اختیار کرنے کی طاقت دی گئی ہے تو ساتھ ہی اس کو نیک و بد تمیز کرنے کی قوت بھی عطا کی گئی ہے کیونکہ تمیز اور علم کے بغیر تو غالباً اس قسم کا آزاد اختیار ایک خطرناک بوجھ اور ظالمانہ تحفہ ہوتا اسی لئے قوت اختیاری اور ارادی کے عطا ہونے سے پہلے ہی علم نیک و بد دیا گیا چنانچہ حضرت آدمؑ کو حکم عدولی کی سزا میں باغ جنت سے نکالے جانے سے پیشتر شجر ممنوعہ کے پاس جانے سے متنبہ کر دیا گیا تھا۔ معدنیات میں دیکھ لیجے کہ جواہرات وہی اجزا اپنے میں شامل کرینگے جو اُن کی تکمیل کے واسطے مفید ہوں جسم انہیں اجزا کو قبول کرے گا۔ جو اُس کے نشو و نما کے واسطے مفید ہوں۔ بقیہ تمام قسم کے فضلے جسم سے باہر آجاتے ہیں۔ اسی واسطے طبیب بھی غیر ضروری عنصر کو دُور کرتے ہیں تاکہ طبیعت قوی رہے دوا کا کام مرض کو دُور کرنے کا صرف انہیں معنوں میں ہے کہ وہ طبیعت کو قوی

کرتی ہے تاکہ مرض پر غالب آجاوے۔ اسی طرح جیسے روحانی امراض کی دوا بھی روح کو قوت پہونچانے کے واسطے ہوا کرتی ہے تاکہ نفس پر روح کی قوت غالب رہے۔

انسان میں بعض کمزوریاں بھی ہیں جن کی بابت ارشاد ہے وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔ ہم نے انسان میں کمزوریاں بھی رکھ دی ہیں مثلاً غضب اور غصہ بھی ہے جس کی وجہ سے وہ بعض اوقات جامے سے باہر ہوجایا کرتا ہے اس میں نفسانیت اور حیوانیت کا بھی بعض کرشمے ہیں جن میں مبتلا ہو کر نفاق۔ دشمنی۔ بغض وکینہ۔ لالچ۔ نخوت غرور۔ تعصب۔ شہوت۔ ظلم۔ ضد۔ خودغرضی اور خدا جانے کیا کیا حرکتیں کرگذرتا ہے وہ اس حقیقت سے بہت دور ہوتا ہے کہ دراصل غصہ اوس اصلی غصہ پیدا کرنے والی بات سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہے عداوت تباہی کی جڑ ہے۔ لالچ گمراہی اور ناکامی کا ایک ایسا کانٹے دار درخت ہے جو راہگیروں کے بلا وجہ کپڑے پھاڑتا اور اون کو زخمی کردیتا ہے مغرور کے سامنے ایک آئینہ ہوتا ہے جس میں اُس کو صرف اپنا آپا ہی نظر آتا ہے متعصب حقیقت سے کوسوں دُور ہوتا ہے اور شہوت پرست اس حیوانیت کے فعل سے دین اور دُنیا دونوں تباہ اور برباد کردیتا ہے ظالم مظلوموں کی آہ کا شکار ہوتا ہے غرضکہ انسان دوسروں کے عیب آسانی سے ٹٹول لیتا ہے اور اپنے عیبوں پر اوس کی نگاہ نہیں جاتی یہ مثل سچ ہے کہ چراغ کے نیچے اندھیرا ہوتا ہے۔ کبھی وہ تجاہل عارفانہ کرتا ہے کبھی وہ سچے اور جھوٹے کا نشنس کی بحث چھیڑ دیتا ہے اور کسی نہ کسی ترکیب سے۔ وہ اپنا کام نکالتا

چاہتا ہے غرضکہ اُس کے پاس بہروپیوں کی طرح بہت سے جامے ہیں کسی جادو بیانی سے طلسم ہوش ربا کا سین دکھاتا ہے کبھی حیا اور اخلاق کا جامہ پہن کر راہ ہدایت بتلاتا ہے کبھی شیطان کا روپ بھر کر گمراہی کا سبق پڑھاتا ہے۔

افلاطون کا قول ہے کہ جو کام تم خود چُھپ کر کرو اُسے کسی دوسرے کو ظاہر میں ملامت مت کرو اور اپنے نفس سے شرم کرو کیونکہ تمہاری جو بات اوروں سے پوشیدہ ہے وہ تم سے تو پوشیدہ نہیں ہے۔

یہ سب کچھ تل کی اوٹ پہاڑ ہے ورنہ گمراہی کا دریا ہر چہار طرف موجیں مار رہا ہے جس میں نہ سڑکیں ہیں نہ راستے بلکہ اُسکی لہریں اُٹھ اُٹھ کر ہمارے راستوں کو پامال کرتی جاتی ہیں۔ ہم کبھی کبھی اپنے جوش میں آن کر خودی سے مقابلہ آرا ہوتے ہیں لیکن کہیں اداؤں سے مار کھا جاتے ہیں کہیں سنانِ ابرو سے گھائل ہو کر بالآخر بیستی کے دریا میں غرق ہو جاتے ہیں۔

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

ہماری عقل و دانش کی تو یہ حقیقت معلوم ہوئی پھر بتلایئے صلاح کس سے پوچھیں اور انصاف کس سے کرائیں۔ تو کیا اس کے یہ معنے ہیں کہ ہم کچھ بھی نہ کریں اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں نہیں۔ نتیجہ اس مضمون کا بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔ ہماری راہ کشائی کے واسطے یقیناً میدان بہت وسیع ہے ہمارے ساتھ ایک روشنی ہے۔ اصلیت یہ ہے کہ جہاں عقل اور علم کا خاتمہ ہوتا ہے ٹھیک اسی مقام سے

ایمان اپنا جلوہ دکھلاتا ہے جہاں تاریکی ختم ہوتی ہے وہیں سے روشنی اپنا خوبصورت چہرہ نکالتی ہے اور اس طرح ایک مسلم اور سچے مومن کے لئے مسئلۂ زندگی میں مطلق پیچیدگی باقی نہیں رہتی ہے۔

حدیث دوست نہ گویم مگر بحضرت دوست
کہ آشنائے سخن آشنا نگہدارد

خلاصہ یہ ہے کہ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ خدا کسی کو بھی بغیر رسول اور نبی کے بھیجے ہوئے اور ان کے ذریعہ سے پیغام پہونچائے ہوئے سزا سے مخاطب نہیں کرتا۔ پس جو احکامات کہ رسول کے ذریعہ سے ہم تک پہونچائے گئے ہیں وہ ہر لحاظ سے جامع اور مکمل ہیں اور یہی ہمارے لئے نیک و بد معلوم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے کیونکہ وہ راستہ خود خدا ہی کا بتلایا ہوا ہے۔ یہی ہماری عقل کی کسوٹی اور یہی سچے اور جھوٹے کا نشتر کے معلوم کرنے کا ذریعہ ہے۔ لفظ تو یہ ساری حقیقت کو اپنے معنوں کے اندر لئے ہوئے ہے۔

عفو خدا بیشتر از جرم ماست
نکتہ سربستہ چہ گوئی خموش

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا۔ یہ اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں ان سے تجاوز مت کرو۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ اگر تو سزا دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر معاف کردے تو تو غالب حکمت والا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بحیثیت اشرف المخلوقات کے انسان کو تمام دوسرے ذی روح طبقہ کے مقابلہ میں اعلیٰ اور پاک خیالات سے مزین ہونا چاہیئے اس کو اپنے عادات اطوار خصائل اور افعال کے سایہ پر نگاہ ڈالنی چاہیئے کہ آیا دراصل اس کے مناسب حال ہے یا نہیں اگر بدقسمتی سے اس کے خلاف ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ انسان اور بعض جانوروں میں صرف ایک دم کا ہی تو فرق ہے۔

اے دل اگر تو خدا کی دی ہوئی نعمتوں پر قانع نہیں ہے تو کوئی دوسرا ملک تلاش کر جو تجھے اس سے ہی زیادہ دیوے۔ اے دل جن افعال کو خدا نے برا کہا ہے اُنسے پرہیز کر ورنہ اِس حکم عدولی سے تو یہی بہتر ہے کہ اُس کے ملک سے باہر چلا جا۔ اے دل جو گناہ کیا چاہے تو ایسی جگہ تلاش کر جہاں خدا نہ دیکھے۔ اے دل جو بندگی خدا کی کرنا چاہے تو کر ورنہ اُسکا رزق مت کھا۔

صورت مرداں چہ خواہی سیرت مرداں گزیں
مرد عاشق پیشہ را با صورتِ ایواں چہ کار

نفسانیت

بفروغ چہرہ زلفت ہمہ شب زندہ رہ دل
چہ دلاورست وزدے کہ بکف چراغ دارد

ہمارا نفس دراصل وہ بگلا بھگت ہے جو دریاؤں اور تالابوں کے کنارے آپ نے اکثر دیکھا ہوگا۔ بظاہر کیسا سیدھا سادہ بھولا بھالا معلوم ہوتا ہے اور کس سادگی سے گونگی سادے بے حس و حرکت آنکھیں بند کئے ہوئے بیٹھا رہتا ہے لیکن جب کوئی مچھلی اوسکے قریب اس کی زد میں آجاتی ہے تو آہستگی سے اپنی آنکھیں کھولتا ہے پھر اپنی بے ڈھنگی سی چونچ آہستہ سے بڑھا کر نہایت پھرتی اور تیزی سے اس مچھلی کو پکڑ کر ہڑپ کر جاتا ہے اور اس کے بعد پھر اسی بگلا بھگت کے روپ میں ہو جاتا ہے۔

تن اُوجرا من میلا بگلا جیسے بھیش
اس سے تو کاگا بھلے جو باہر بھیتر ایک

بجنسہٖ یہی حالت ہمارے نفس کی ہے جو بظاہر مردہ پڑا رہتا ہے اوس کی سادگی سے ہرگز یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ یہ اس خوبی سے مچھلی کو نگل جاوے گا لیکن موقع کو یہ بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا اور بگلا بھگت کی طرح پر اپنا کام کر گذرتا ہے۔ مچھلی تو درکنار ہاتھی

تک کو نگل کر ڈکار تک نہیں لیتا۔

سامنے آئے جو مسجد تو غازی ہی سہی
بت جو موقع پہ ملیں دست درازی ہی سہی

اسی طرح پر ایک قصہ عابد کی بلی کے نماز پڑھنے کا مشہور ہے کہ ایک عابد ایک پہاڑ پر شب و روز عبادت میں مشغول رہا کرتا تھا اور ایک بلی بھی اوس کے عبادت خانہ میں رہتی تھی ایک روز اتفاقاً ایک چکور کا گذر اوس طرف سے ہوا دیکھا کہ بلی قبلہ کی طرف منہ کئے بیٹھی ہے اور اپنے ہاتھ پاؤں چاٹ رہی ہے چکور نے خیال کیا کہ شاید اب اس بلی نے عابد کی صحبت کی بدولت جانوروں کے مار ڈالنے سے توبہ کر لی ہے اور نماز پڑھا کرتی ہے اس وقت وضو کر رہی ہے اوس کو بلی سے مرید ہونے کا شوق چرایا اور اپنی خوش خرام رفتار سے اوس کے قریب گیا بلی نے اس تر لقمہ کو اپنے قریب دیکھا اور حسب عادت اوس کی طرف جھپٹی اور ھڑپ کر گئی۔

انسان میں حیوانیت اور نفسانیت کی بھی ضرورت تھی کیونکہ اگر کھاتا پیتا نہیں تو اوس میں بالیدگی کہاں سے آتی اگر بالیدگی نہ ہوتی تو ازدیاد نسل منقطع ہوتا اس کے علاوہ نفسانیت کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت انسان کا امتحان مقصود تھا کیونکہ کسی چیز کے پرکھنے کی اوس وقت ضرورت پیش آتی ہے جبکہ اس میں کھوٹا اور کھرا دونوں شامل ہوں بظاہر ملمع کی چیز اصلی چیز سے بھی زیادہ خوش نما اور خوشرنگ ہوتی ہے لیکن آگ میں ڈالتے ہی اوس کی قلعی کھل جاتی ہے اسی طرح پر ہر وہ شخص جس کی نسبت بہترین انسان ہونے کا خیال ہوتا

ہے وقت اور موقع پر ہی پرکھا جا سکتا ہے جیسا کہ اس مثال سے واضح ہو گا۔

ایک مرتبہ ایک دنیا دار شخص ایک خدا رسیدہ درویش کا مرید ہوا درویش نے اوس کو ایک ویران جنگل میں جہاں انسان کا کوسوں تک پتہ نہ تھا رہنے اور عبادت کرنے کی ہدایت کی اور یہ اپنے مرشد کی ہدایت کے مطابق وہاں پہونچکر عبادت الہی میں مصروف ہو گیا چند سال کے بعد درویش کا وہاں گذر ہوا اور اُس سے اُس کی حالت دریافت کی اوس نے اطمینان ظاہر کیا اور کہنے لگا کہ اب مجھے اپنے نفس پر پورا قابو ہو گیا ہے درویش نے مسکرا کر کہا کہ یہ خیال خام ہے نفس بڑی بلا ہے اس کو ایک ذرا سا موقعہ ملجانا شرط ہے پھر یہ قابو سے باہر ہو جاتا ہے تاہم اگر تمہارا ایسا خیال ہے تو شکر کرو کہ خدا نے تمہیں ایک بڑی نعمت عطا کی ہے درویش نے عبادت کی کچھ مدت مقرر کی اور رخصت ہو گئے۔

یہ شخص بدستور اپنی عبادت میں مصروف رہا کرتا تھا ایک روز شام کا وقت تھا کہ ایک جانب سے ابر نمودار ہوا اور تمام آسمان پر چھا گیا طوفانی ہوا چلنے لگی بجلی کی کڑک اور بادل کی گرج سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین پھٹ جائے گی کچھ دیر کے بعد موسلا دھار مینہ پڑنے لگا یہ شخص اپنے اسی مکان میں بیٹھا ہوا عبادت میں مصروف تھا کیا دیکھتا ہے کہ ایک نہایت حسین کم سن عورت سراسیمگی کی حالت میں اس کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اے فقیر میں راستہ بھول گئی ہوں اور اس طوفانی رات سے محفوظ رہنے کے لئے اس مکان میں شب باش ہونا چاہتی ہوں فقیر کو پہلے استعجاب ہوا پھر کچھ سوچا اور اپنی حالت کو سنبھال کر

نفرت اور حقارت کے لہجہ میں کہنے لگا کہ فقیر کے مکان میں عورتوں کا کوئی کام نہیں ہے انہیں بلاؤں سے تو بھاگ کر اس ویرانہ میں آیا ہوں اور یہاں بھی پیچھا نہیں چھوٹتا۔ جا اور اپنا راستہ لے عورت یہ جواب سُن کر مسکرائی اور ایک خاص انداز سے فقیر کی طرف دیکھا اور ذرا تامل سے جواب دیا کہ اے فقیر تجھے اپنی ریاضت اور عبادت پر اس قدر ناز ہے کہ جامۂ انسانیت سے گذر گیا کیا شیوۂ انسانیت اور فقر اسی کے معنے ہیں کہ حاجت مندوں کے درد دُکھ کا بھی احساس باقی نہ رہے۔ تجھ اللہ والے سے تو بہت سے دُنیا دار ہی اچھے ہیں جو لوگوں کی مصیبت میں تو کام آتے ہیں کیا تیرے پاس دل نہیں اور اس میں درد نہیں مصیبت زدہ کو دیکھ کر تو حیوانوں میں سے بھی بعض کو رحم آجاتا ہے کیا تیری حالت اُن سے بھی بدتر ہے۔ سُن اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اس دُنیا میں گذران کی کیا صورت اختیار کرنی چاہیے تو اُس کو لازم ہے کہ سب سے پہلے خود غرضی سے نفرت پیدا کرے۔ شاید تو اپنی اس موجودہ حالت کو نفس کشی خیال کرتا ہو میرے نزدیک تو تو نے اپنے نفس کو اور بھی زیادہ مجرب کر لیا ہے کیونکہ یہ عین خود غرضی ہے اور اس قسم کے اندھے کو صرف اپنا آپا ہی نظر آیا کرتا ہے حقیقی کامیابی کا یہ راستہ نہیں ہے ہر شخص جو علم ریاضی سے تھوڑا بہت واقف ہے وہ بھی یہ جانتا ہے کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں لیکن غلط استعمال سے دو اور دو بائیس ۲۲ بھی کئے جاسکتے ہیں جس طرح پر کہ درخت کے کانٹوں کا عیب اُس کے پھول چھپا لیتے ہیں اسی طرح پر انسان کو بھی اپنی بدیاں نیکیوں میں چھپا لینی چاہئیں جس طرح پر کہ جواہرات کو چوری کے خوف سے زمین میں دبا دیتے

ہیں اسی طرح پر اپنی باطنی تدبیر کو ظاہری تدبیر سے چھپاؤ۔ اس میں شک
نہیں کہ اس تنہائی اور رہبانیت کی زندگی میں تو نے جو کچھ حاصل کیا وہ
جسم کا مٹاپا ہے گویا اس عرصہ میں تو نے اپنے اس قید خانے کی چار دیواری
کے بلند کرنے میں بہت کچھ اہتمام کیا ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ تیرا غرور
ساری ریاضت اور عبادت کو خراب نہ کر دے۔ خواہ تو ویرانے میں رہ یا
شہر میں لیکن اس بات کو یاد رکھ کہ درخت کہ شاخیں کاٹ دینے سے
وہ درخت اور بھی زیادہ زوردار ہو جایا کرتا ہے اور ایک بھوکا شیر پیٹ
بھروں سے زیادہ خونخوار ہوا کرتا ہے۔ رہبانیت کو اسی بنا پر اسلام
نے ممنوع قرار دیا ہے اور تارک الدنیا شخص کی عبادت کا وہ درجہ نہیں
جو ایک دنیا دار شخص کی عبادت کا ہے کیونکہ بالعموم خواہشات اوسی
وقت پیدا ہوا کرتی ہیں جبکہ دل کو گرمانے اور ابھارنے کے سامان پیش
نظر ہوں۔ اس کے علاوہ انسان اپنی ذمہ داریوں سے بے خبر ہو جایا
کرتا ہے۔ یاد رکھ کہ بیوی بچوں ہی کے ساتھ رہنے سے انسان میں مادّہ
ایثار پیدا ہوتا ہے ورنہ ایک ایسی عینک اوس کی آنکھوں پر چڑھ جاتی
ہے کہ اس کو ساری دنیا اسی رنگ میں رنگی ہوئی دکھلائی دیتی ہے۔ بال
بچوں کے حقوق اُن کی محبت انسان کو مجبور کیا کرتی ہے۔ کہ وہ اپنے عیش
آرام کو دوسروں کی بھلائی کے واسطے قربان کر دے اور اس ابتدائی
قربانی کے بعد وہ رفتہ رفتہ کل ہی نوع انسان کے خواہ کسی مذہب و
ملت کا کیوں نہ ہو آرام پہنچانے کی غرض سے اس ایثار کو وسعت دیتا
ہے یہاں تک کہ اُس کو جانوروں سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ
سکون قلب اوسے حقیقی عبادت کے پھل دیتا ہے۔ تیری مثال تو

اس حکیم کے قصے سے بہت مشابہ ہے کہ جس کو ایک بادشاہ کے خواب میں اچھا کرنے کے صلہ میں یہ حکم ہوا تھا کہ خزانے سے جس قدر اشرفیاں لیجا سکے لیجاوے اس حکیم نے اس قدر اشرفیاں اپنی پیٹھ پر لادیں کہ اوس کے شانے اکھڑ گئے اور اس بوجھ اور تکلیف سے وہ بیدار ہو گیا جب آنکھ کھلی تو اشرفی تو ایک بھی اوس کے پاس نہ تھی لیکن مزید براں تکلیف کا اثر باقی تھا۔ پس جو لوگ محض اپنی نفس پروری کے واسطے خودی کے دریا میں غرق ہو جاتے ہیں وہ گناہوں کی بے شمار گٹھریاں باندھ لیتے ہیں اور جب اس عارضی خواب سے بیدار ہوتے ہیں تو اون کے پاس سوائے روحانی تکلیف کے احساس کے اور کچھ پاس نہیں ہوتا ہے اے فقیر تو اس رہبانیت کی زندگی سے اپنے مکار اور بگلا بھگت نفس کو زیر نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے کہ میری اس گفتگو سے تیرے دل کو تکلیف پہونچی ہوگی لیکن ایسا کام ہی مت کر کہ جب تجھکو اس کا عیب لگایا جاوے تو تجھے غصہ آوے۔ دیکھ نہ لے کہ خدا معلوم اس عالم میں کون کون گمراہی کے دریا میں غرق ہو گئے۔ ہاروت ماروت دو فرشتوں کا قصہ کون نہیں جانتا کہ وہ انسانوں پر طعن تشنیع کیا کرتے تھے خدا تعالیٰ نے نفس امارہ ان کو دے دیا یہ دونوں فرشتے شہر بابل آئے اور اس نفس بشری کی بدولت مسماۃ زہرہ پر عاشق ہو گئے شراب پی اور ایک آدمی کو قتل کیا بت کو سجدہ کیا اس گناہ کبیرہ کی بدولت آسمان پر جانے سے روک دئے گئے اور چاہ بابل میں اون کو الٹا لٹکا دیا اور اس طرح پر عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ دیکھ میں نے تجھ سے صرف یہ خواہش کی تھی کہ اس طوفانی رات سے محفوظ رہنے کے لئے مجھے اپنے

مکان میں پناہ لینے دے صبح کو اپنے گھر کا راستہ لوں گی مگر افسوس کہ تیرے مکروہ اور نا ملایم الفاظ نے میرے دل کو پاش پاش کر دیا۔

دنیا میں کوئی چیز شر مطلق نہیں ہے کہ کوئی صنعت ہی اس میں نہ ہو اور نہ کوئی خیر محض سوائے ذات باری تعالی کے ہے کہ اس میں کوئی بھی برائی نہ ہو البتہ فطرت کا مصور انسان اپنے سحر انگیز بیان کے زور سے رغبت دلانے یا نفرت پیدا کرنے کے لئے کسی قدر مبالغہ سے کام لیا کرتا ہے۔ " اے بسا ابلیس آدم روئے ہست" پہلے تو فقیر نے سوچا کہ کہیں شیطانی وسوسہ نہ ہو پھر اس عورت کی جادو بیانی کے اثر سے محجوب ہو کر اس سے معافی کا خواستگار ہوا اور اوس کو ایک دوسری کوٹھری میں آرام کرنے کی اجازت دے دی۔

اس عورت نے اندر داخل ہو کر کواڑوں کو احتیاط سے بند کر لیا اور زنجیر لگا دی۔ فقیر بدستور اپنے اشغال میں مصروف ہو گیا لیکن اب اس کی محویت عبادت میں ویسی نہ تھی جیسی کہ کچھ عرصہ پہلے تھی۔ کبھی تو اس عورت کی جادو بیانی کا خیال آتا اور کبھی اس کی جوانی اور خط و خال کا غرضکہ اس عورت کے حسن اور اس کشمکش نے فقیر کی برسوں کی عبادت کو خاک میں ملا دیا اور اس کی بے چینی اور بے قراری ہر لحظہ ترقی پر تھی جتنا وہ اس خیال سے بچنا چاہتا تھا اتنا ہی وہ خیال اوس کو پریشان کرتا تھا اس حالت اضطراب میں ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ وہ فقیر مثل ایک بھوکے شیر اور مجسم شیطان کے بن گیا۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ نیک کام یا عبادت الہی کے وقت جو اکثر فاسد خیالات پیدا ہوا کرتے ہیں یہ اس وجہ سے ہوتا

ہے کہ جہاں مال ہوتا ہے وہیں چور بھی چوری کرنے کو جاتا ہے۔ روح کی رغبت نیکی کی طرف ہوتی ہے اور نفس گمراہی پر کمربستہ ہوتا ہے اور اس کشمکش میں اللہ کے نیک بندے دن رات مبتلا ہوا کرتے ہیں دیکھئے تو نماز میں اکثر وہ باتیں یاد آجایا کرتی ہیں جو دنیا داری کے متعلق ہوتی ہیں اور جن کو انسان بھولے ہوئے ہوتا ہے اور جس قدر اس کے دفعیہ کی کوشش کی جاتی ہے اسی قدر شیطان دق اور پریشان کیا کرتا ہے جیسا کہ ذیل کی مثال سے واضح ہوگا۔

ایک مرتبہ کسی بادشاہ نے عام منادی کرادی کہ جو کوئی اوس کو اچھا کر دے گا بادشاہ اوسے زر و جواہر سے مالا مال کر دے گا۔ چنانچہ ایک شخص بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک گلاس میں تھوڑا سا پانی بھر کر پیش کیا اور یقین دلایا کہ اس عجیب و غریب دوا کو جس وقت بادشاہ پیئے گا فی الفور اچھا ہو جاوے گا۔ بادشاہ خوش ہوا اور اس کو پینا چاہا۔ فرضی حکیم نے عرض کیا کہ ابھی ذرا ٹھیر جائیے اس کا ایک پرہیز ہے اور وہ یہ کہ اس کے پیتے وقت بلی کا خیال دل میں نہ آنے پاوے ورنہ اس دوا کا اثر زائل ہو جاوے گا۔ چنانچہ جونہیں بادشاہ نے دوا کا گلاس منہ سے لگایا بلّی کا خیال آگیا غرضکہ کئی مرتبہ دوا پینے کی کوشش کی لیکن بلی کا خیال دل سے دور نہ ہوا یہاں تک کہ بلا دوا کے بھی بلی کا خیال دل میں رہنے لگا مجبور ہو کر بادشاہ نے اس گلاس کو یہ کہہ کر پھینک دیا کہ قسمت میں اچھا ہونا ہی نہیں ہے۔

بعینہٖ یہی حالت اس فقیر کی ہوئی کہ جتنا خیال اس حسین عورت

کا وہ دل سے دور کرنا چاہتا تھا اتنا ہی وہ پیاری پیاری دل آویز شکلوں میں اوس کے پیش نظر ہوتا تھا بالآخر جب اوس کی حالت ضبط اور اختیار سے باہر ہو گئی تب وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اوس عورت کی کوٹھری کے دروازے پر پہونچا پہلے اوس کو آواز دی کہ وہ کواڑوں کو اندر سے کھولدے جب کچھ جواب نہ ملا تو اوس نے کواڑوں کو توڑنا شروع کیا اُس عورت نے عصمت اور خفت کے خیال سے بہت کچھ شور و غل مچایا لیکن اوس ویران جنگل میں کوئی اوس کی مدد کو نہ پہونچا۔ فقیر پر شیطنت غالب تھی اور وہ قطعی اندھا ہو رہا تھا۔ آخرکار جب وہ کواڑوں کو توڑ کر اندر داخل ہوا اور عورت سے بغلگیر ہونا چاہا اوس نے دیکھا کہ بجائے اُس عورت کے اوس کے پیر و مرشد آغوش میں اوسکو لئے ہوئے اوس کی اس حرکت پر مسکرا رہے ہیں یہ حالت دیکھ کر فقیر کو سناٹا آ گیا اور حالت کچھ ایسی متغیر ہوئی کہ اگر وہ درویش ہاتھ سے کو سنبھال نہ لیتے تو شاید بیہوش ہو کر زمین پر گر جاتا۔

پیر نے اوس کو بہت کچھ تسلی و تشفی دی اور اس طرح سمجھایا کہ اے عزیز من میں نے اس روپ میں تمہیں بتلایا حقیقت نفس کا ایک ادنی کرشمہ دکھلایا ہے نفس کشی کوئی کھیل تماشا نہیں ہے یہ تمہارا پہلا امتحان تھا۔

طریق عشق پر آشوب و فتنہ است اے دل
بیفتد آنکہ دریں راہ با شتاب رود

اصلیت یہ ہے کہ راتوں اور دانتوں کے درمیان دو نوع پڑ چھپا

بیشتر اوقات خرابیوں کی مضبوط بنیادیں اور شیطنت کے قریب لے جانے والی نزدیک ترین راہیں ثابت ہوئی ہیں۔ اِن سے سمجھ دار دہوکا کھا جاتے ہیں دل پر قابو رکھنے والوں کے دعوے آن واحد میں باطل ہو جاتے ہیں اور کسی کی پیری نہیں چلتی کبھی کانوں کی راہ سے سریلی آوازیں دل میں گھر اثر کر جاتی ہیں کبھی آنکھوں کی راہ سے دل لبھانے والی ادائیں اور مستانی چالیں نقش کالحجر ہو جاتی ہیں۔

دیکھنے سے شوق پیدا شوق سے پیدا طلب
آفتِ دل آنکھ تھی دل آفتِ جان ہو گیا

لیکن مردِ میدان خدا کی رحمت پر بھروسہ رکھنے والے بد دل نہیں ہوتے اور کمرِ ہمت مضبوطی سے باندھے رہتے ہیں۔ امتحانات کی سختی کی کوئی حد نہیں ہے یہاں تک کہ آخر دم تک اس سے غفلت کرنا سراسر غلطی اور نادانی ہے ہم سو جاتے ہیں لیکن شیطان نہیں سوتا۔

رہزن دہر نخفتہ ست مشو ایمن ازو
اگر امروز نہ بردست کہ فردا ببرد

پس جب طرفین کی یہ حالت ہو تو مقابلہ دشوار ہے ایک بزرگ کا قول ہے کہ غیر محرم حسین عورت کو نگاہ بھر کر دیکھنا آئندہ خرابیوں کی ابتدا ہوتی ہے اس لئے ایسے مواقع سے پرہیز ہی لازم ہے۔

انسان کا اپنے نفس کو پہچاننا دُنیا میں سب سے زیادہ دشوار بات ہے اِس میں جوانی اور بڑھاپے کا سوال ہی نہیں اس سر کے ساتھ یہ سودا اور جنون برابر لگا رہتا ہے۔

چہ کنم زخم کاری دارم   دم بدم بے قراری دارم

عمر رفت و ہوا سے نفس نہ رفت — سگ پیر شکار ہیئے دارم

گو انسان کی خلقت میں کمزوری داخل ہے اور اوس سے اس قسم کی لغزش ہو جانا بشریت ہے لیکن قدرت کاملہ نے پیدا کر کے ہمیں بے نتھے بیل کی طرح پر نہیں چھوڑ دیا۔ ہمیں دیکھنے کے واسطے آنکھیں دیں اور سمجھنے کیواسطے عقل دی۔ ہم کو چاہیئے کہ ہم ہسپتالوں میں جاکر اون مریضوں کو دیکھیں جو بد عادت اور بدکرداریوں کے نتائج کے شکار ہو رہے ہیں۔ جب ایسے مجرموں کے یہ عجیب و غریب منظر نظر پڑیں تب اون کو ٹٹولو اور ان سے دریافت کرو کہ اون کے نفس نے انہیں کیونکر قعر ذلت میں ڈبو دیا وہ عبرتناک منظر تمہیں بتلا دے گا کہ وہ بیچارے ہر طرف سے جکڑے ہوئے ہیں۔ نہ چل سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ دنیا کے کسی لطف سے انہیں کچھ سروکار ہے وہ گذشتہ رات کے اوس خواب کی مثال ہیں جس میں ایک مزدور نے اپنے آپ کو بادشاہی حالت میں دیکھا تھا اور دن کی تکالیف نے اون عارضی کیفیتوں کا احساس بھی باقی نہ رکھا۔ سکندر بادشاہ نے ایک چور کو سولی کا حکم دیا چور نے کہا کہ جس وقت میں نے چوری کی تھی تو اس کام کو برا خیال کیا تھا بادشاہ نے کہا کہ سولی پر چڑھو اور اس کو بھی برا سمجھو کیونکہ برائی کے عوض میں اچھائی کی توقع کرنا عبث ہے پس کیا اس قسم کے مریضوں کے لئے یہ تکالیف موت کی تکلیف سے کم ہیں جن کی خواہش نفسانی کے ایک بامزہ لقمہ نے دائمی شدید تکلیف اور سوزش کی لعنت ملامت کا نشانہ بنادیا

حضرت نفس کی ہیں بھول بھلیاں کچھ اور
آپکو بیٹھوں لیے خضر یہ راہیں کیونکر

الغرض وہ لوگ جو ایسے بیفکر شہوانی زندگی بسر کرتے ہیں اور
خفیف تنبیہوں کے بعد بھی آنکھیں نہیں کھولتے اون کو سخت
سزائیں ملتی ہیں اور وہ قوتیں جن سے کہ وہ نا اہل ثابت ہوئے
ہیں ہمیشہ کے واسطے ان سے چھین لیجاتی ہیں۔ وہ تقصیر کرتے ہیں ہاتھ کو اوپر
کی طرف اٹھا کر یا اسی ترکیب سے اپنے اعضائے جسمانی کو
خشک کر لیتے ہیں تاکہ دنیاداری سے اون کے جال میں
پھنس جاویں۔ الله بھلا ایسے ہیں پہلے اون کو درد کی تکلیف میں مبتلا
کرتا ہے پھر تمام عمر کے واسطے وہ عضو بیکار کر دیا جاتا ہے کیونکہ
اس قسم کی حرکتیں ناشکری کی دلیل ہیں۔

اب انسان کا وہ سین ملاحظہ ہو جبکہ اس کو مشاغل دنیاوی
سے فرصت ملتی ہے تو وہ اپنے نفس سے مخاطب ہو کر چپکے
چپکے کچھ ایسی راز و نیاز کی باتیں بناتا ہے جس کو کوئی دوسرا شخص
نہیں سن سکتا کبھی وہ تنہائی میں بیٹھ کر اپنے مرتبہ جاہ و جلال کو دیکھتا
ہے اور اس پر فخر کرتا ہے (اپنی صورت خواہ کیسی ہی بری کیوں
نہ ہو) آئینہ میں دیکھ کر ناز کرتا ہے وہ اپنے پُر تکلف لباس کو اپنے
انسانیت کے نورانی آئینے میں دیکھ کر اتراتا ہے وہ اپنے سینے کے
ابھار اور جسم کی خوش نمائی پر غرور کرتا ہے وہ اپنی دولت پر تکبر
اور ناز کرتا ہے غرضکہ اس کو اپنی ہر ایک ادا خوشنما اور دلفریب
نظر آتی ہے عیش و آرام اوس کی غذا لطف و خوشی اس کے

دترات کے مشغلے ہوتے ہیں۔ بدن میں قوت ہوتی ہے زور آزمائی
کے لئے اوس کو کوئی چیز ملیتا نا سے شرط ہے رستم اور اسفندیار کے
افسانوں کی اوس کے دل میں کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ خودنمائی اور
خودستائی کو دل چاہتا ہے دوسرے کی تعریف سنا سے رشک وحسد ہوتا
ہے۔ اپنی عقل کے مقابلہ میں لقمان اور جالینوس گویا طفل دبستان معلوم
ہوتے ہیں بادشاہوں کی اوسوقت کیا حقیقت ہے جب نعوذ باللہ
خدا ہی کا کہنا نہیں مانتا۔

فکر سے خود و رائے خود در عالم رندی نیست
کفر ست دریں مذہب خود بینی و خود رائی

(رندی کے عالم میں فکر اور رائے بیکار ہے کیونکہ اس سلسلہ میں
خود بینی اور خود رائی کفر ہے) لڑائی کے واسطے خطر پیدا کی جاتی ہے۔
جو کچھ زبان سے کہہ دیا (خواہ وہ غلط ہی کیوں نہو) اوس پر ضد کی جاتی
ہے جو کام کر گذرے چاہے وہ بُرا ہے کیوں نہو اوس کے اچھا ثابت
کرنے کے واسطے ہٹ کی جاتی ہے۔ القصہ گھنٹہ دو گھنٹہ جب
عالم تنہائی نصیب ہوتی ہے تو شداد او نمرود کیطرح خدائی کی
جاتی ہے اور ہر چیز اوس کو اپنے مقابلہ میں پست اور ذلیل دکھائی
دیتی ہے۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

یہ مرض کچھ ایسا عالمگیر ہوگیا ہے کہ اگر ہر شخص اپنی حالت پر
نظر انصاف سے غور کرے تو اوس کو معلوم ہوگا کہ اس میں کھوڑا بہت

اثر اس مرض کا ضرور ہے۔ فرعون کا دنیا میں نام بدنام ہوا بہر حال اس کے پاس غرور اور تکبر کا سامان از وجود تھا یہاں تو باوجود اس بے سر و سامانی کے ہر ایک اپنے وقت کا فرعون بے سامان بنا ہوا ہے بقول حضرت مولانا۔

ہر یکے از ما کم از فرعون نیست

لیک او را عون ما را عون نیست

انسان اور اس کی حالت کا تمام عمر یکسان نہ رہنا عدم سے وجود میں آنے والی چیز کا مشابہ ہے کیونکہ وہ پست ترین حالت سے شروع کرتا ہے اور بتدریج ترقی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنی انتہا کو پہونچکر جیسا بڑھتا ہے ویسا ہی جسمانی حیثیت سے گھٹنا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اپنی اصلیت پر لوٹ جاتا ہے۔ جب نفسانیت اور خودی کا زور رہتا ہے تو وہ صورت پیدا ہو جاتی ہے جو اوپر بیان ہوئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر بہار کو خزاں ہے اس لئے یہ خودی کی بہار بھی عارضی ہوتی ہے اور کبھی نہ کبھی اس کے فنا کا وقت بھی آ ہی پہونچتا ہے اور آفتاب خودی کی شعاعیں رفتہ رفتہ ماند پڑجاتی ہیں تب وہی حضرت انسان جن کی ابتدا اس شد و مد سے ہوتی ہے انتہا میں پہونچکر ایک ادنی سے ادنی چیز بھی اعلی معلوم ہونے لگتی ہے یہی حالت بجنسہ دوسرے ذی روح مادہ کی بھی ہے۔ مثلاً ایک نہایت اعلی شان درخت کی شاخ کو بھی یہ غرور ہوتا ہے کہ میں مضبوطی میں اپنی مثال آپ ہوں۔ دیکھو نہ لوکہ اس کے توڑتے وقت انسان اور درخت میں کیا کیا زور آزمائیاں ہوتی ہیں۔ لیکن

جب اوس کے عروج اور گھمنڈ کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو وہ خود بخود خشک ہو کر ایک ذرا سی ہوا سے زمین پر گر جاتا ہے اللہ اللہ یہ انقلاب طبیعت بھی انقلاب زمانہ سے کم نہیں ہوتا نہ وہ لنترانی کی اُمنگ باقی رہتی ہے نہ جوش جوانی کے ولولے اپنی سیرت اور صورت دونوں سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

دلا چو پیر شدی حسن ناز کی مفروش

کہ این معاملہ با عالم شباب رود

انسان اپنے حسن و خوبی کا جو یقیناً زوال پذیر ہے کیا غرور کرے جبکہ ایک ذرا سی بیماری اوس کی صورت بگاڑ دیتی ہے یہ جسمانی خزاں کا موسم آتا ہے جس کی وجہ سے دل کمزور طبیعت پژمردہ حواس باختہ نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت نہ سینے کا اُبھار نہ بدن کشیدہ بلکہ قدرتی طور پر کمر خمیدہ بانس کی چھڑی ہاتھ میں سر ہلتا جاتا ہے تب حضرت انسان کی آنکھیں کھلتی ہیں اور جوانی کا نشہ ہرن ہوتے ہی اون کو اپنے اعمال اور بدکرداریاں یاد آتی ہیں اور بہار کا زمانہ پلک جھپکتے ہی نکل جاتا ہے گویا جوانی کا ایک خواب تھا ورنہ اصلیت یہ ہے کہ ہر بچہ ماں کے پیٹ سے ان معنوں میں بوڑھا ہی پیدا ہوتا ہے وہ بالآخر ملول اور غمگین ہوتا ہے اور تو بہ کر کے اوسی قوت کے سامنے سر نیاز خم کرتا ہے جو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہوتی ہے نفس کو بُرے کام سے باز رکھنے کا عقل مشورہ دیتی ہے اور اگر وہ باز نہیں آتا تو اوس کو وہ چھوڑتی نہیں کیونکہ نہ اس میں ضد ہے اور نہ غصہ وہ موقع مناسب سے سمجھاتی رہتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو سچائی

کے ساتھ عقل پر بھروسہ کرتا ہے [illegible] دنیا کے ساتھ وہ ہمیشہ بھلائی کیا کرتی ہے۔ جسم اور عقل کی مثال ویسی ہی ہے کہ سوار جب کمزوری کے باعث گھوڑے کو اپنے قابو میں نہیں رکھ سکتا تو اس کی باگ ڈھیلی کر دیتا ہے یہاں تک کہ راستے سے علیحدہ ہو کر گھوڑا کھیل پر [illegible] کھانے میں مصروف ہو جاتا ہے اور بے کمال سوار کو اس جانور کی طرح نفس کو آزاد چھوڑ دینے میں آرام ملتا ہے اکثر دنیا کا مدار اسی چلن پر موقوف ہے نفس قندیل کی بتی کی مثل ہے اور طبیعت اس کے تیل کی مانند ہے اس لئے جب ایک کی قوت دوسرے سے بڑھ جائے گی تو نظام قائم نہیں رہ سکتا۔

در محفلے کہ خورشید اندر شمار ذرہ است
خود را بزرگ دیدن شرط ادب نباشد

دنیا میں ایسے اندھے بہت ہیں جن کو غرور اور تکبر کی وجہ سے اپنی برائی نظر نہیں آتی اور دوسروں کی برائی پر جلد نظر پہنچ جاتی ہے۔

ایک نابینا سڑک پر چلا جا رہا تھا اتفاق سے ایک دوسرا شخص جو جوانی کے نشے میں مست تھا دوسری جانب سے آ رہا تھا اس اندھے سے ٹکرا گیا اور غضبناک ہو کر کہنے لگا کہ تجھے دکھلائی نہیں دیتا ہے جو اس طرح پر آنکھیں بند کر کے جاتا ہے اندھے نے کسی قدر سنجیدگی سے جواب دیا کہ آپ سچ کہتے ہیں میں بیشک ایک بد قسمت اندھا ہوں یہ سن کر وہ شخص اپنی خجالت مٹانے

کی غرض سے گھبرا کر کہنے لگا کہ کیا تو مجھے نہیں جانتا کہ میں کون ہوں اندھا بولا کہ ذرا ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ تو میں ایک منٹ میں بتلا دوں کہ آپ کون ہیں اوس کے بعد اندھا کہنے لگا کہ آپ ایک ایسی ناپاک چیز کے مجموعے ہیں کہ اگر وہ کپڑے پر گر جائے تو کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے علاوہ آپ کی ایک مدت تک وہ رہی ہے کہ اگر اتفاق سے آپ اس کو دیکھ لیں تو نظر کو ہٹا لیں اور دیکھنا بھی گوارہ نہ کریں۔ نو ماہ تک آپ ایسے تنگ و تاریک مقام میں رہے ہیں کہ جہاں ناپاک آلایش آپ کے چاروں طرف بھری پڑی تھی گئی گذری باتوں کو جانے دیجئے۔ فی الحال آپ میں اور ایک کوڑہی کی گاڑی میں اس لحاظ سے کچھ بھی فرق نہیں ہے کہ دونوں ناپاک چیزیں بھری پڑی ہیں غرضکہ ابتدا تیری ناپاک پانی سے تھی اور انتہا میں تو مردار اور رسوا ہوگا اور اب تو نجاستوں کا باربردار ہے یہ حقیقت تو مجھے معلوم ہے جس پر تجھے اس قدر ناز و غرور ہے۔ اوس شخص نے نہایت عاجزی سے معافی مانگی اور کہنے لگا کہ بیشک تو اندھا نہیں ہے بلکہ میں ہی اندھا ہوں۔ اندھے اور سوجھتے ہی پر کیا موقوف ہے زمانے کی مستانہ چالیں غریبوں اور بے کسوں کو روندے ڈالتی ہیں۔ وہ صورتیں کیا ہو گئیں جو غریبی میں مستغنی تھیں اور امیرا ایثار اور کسر نفسی میں اپنے آپ کو غریب خیال کرتے تھے۔

حریفاں بادہا خوردند رفتند
تہی خم خانہا کردند رفتند

خلیفہ مامون رشید کا مقولہ ہے کہ شریف کی یہی پہچان ہے

کہ اپنی سعادت مندی سے بڑے کو دبا بیٹھے اور چھوٹوں سے خود دب جائے اون کا خیال ہے کہ حق اور باطل میں کوئی رشتہ نہیں ہے فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ

یعنی جس وقت صور پھونکا جائے گا تو نسب جاتے رہیں گے اور سب چھوٹے بڑے امیر غریب ایک درجہ میں ہو جائیں گے اس نے انتقال کے وقت اپنے جانشین کو نصیحت کی تھی کہ اے حمید تقرب بارگاہ رب پھولنا انصاف میں میں اور تو اور ایک ادنیٰ غلام سب برابر ہیں۔ اسی طرح پر ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت محمد ابن واسع رحمت اللہ علیہ نے اپنے ایک بیٹے کو ناز و انداز سے ٹہلتے دیکھا اوسے آواز دیکر بلایا اور فرمایا کہ جانتا ہے تو کون ہے۔ سن تیری ماں کو میں نے دو سو درہم کو مول لیا تھا اور (اپنے آپ کو کہا) کہ تیرا باپ ایسا ہے کہ اوس کی طرح کے مسلمانوں میں گنہگار جتنے کم دنیا میں ہوں بہتر ہے۔ اسی طرح پر ایک مرتبہ حضرت مطرب نے ملہب کو اکڑ کر ٹہلتے ہوئے دیکھا کہا کہ اے بندۂ خدا۔ خدا ایسی چال والے کو دشمن خیال کرتا ہے۔

سچ ہے غرور کا سر نیچا ہوتا ہے کیونکہ یہ تو صرف خدا ہی کے لئے زیبا ہے اپنے نفس کو عقلی ترازو میں تولنے والے بزرگ ایسے ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن سلام رحمت اللہ علیہ نے لکڑیوں کا بوجھ اپنی گردن پر لادا لوگوں نے کہا کہ حضور یہ کام غلام کیا کرتے ہیں فرمایا کہ میں اپنے نفس کو آزماتا ہوں کہ اس کام میں کیسا رہتا ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ فکر انسانی اپنے انتہائی کمال پر

پہونچکر انواع و اقسام کی پیچیدگیوں میں مبتلا ہو جایا کرتی ہے لیکن صرف روحانی ترقی کا معراج کمال ایسا ہے کہ اوس کو گمراہی کا مطلق خوف و خطر نہیں ہوتا اور تمام دنیاوی جاہ و جلال اوس کی نظر میں ہیچ معلوم ہوتے ہیں۔

مکہ میں رؤسائے قریش جب ہر قسم کی تدبیروں سے تھک گئے تو رسول کریم کے سامنے انہوں نے حکومت کا تخت زر و جواہر کا خزانہ اور حسن کی دولت پیش کی ان میں سے ہر ایک چیز بہادر سے بہادر انسان کے قدم ڈگمگا دینے کے لئے کافی تھی لیکن آپ نے نفرت کے ساتھ اون کی درخواست کو ٹھکرایا اور بالآخر وہ وقت آیا جب آخری ہمدم و ہمراز ابو طالب نے بھی ساتھ چھوڑ دینا چاہا تو یہ غور و فکر کا آخری لمحہ اور عزم و استقلال کا آخری وقت امتحان کا تھا۔ اوس وقت آپ نے جواب میں جو فقرے فرمائے عالم کائنات میں ثبات اور بے غرضی کے اظہار کا سب سے آخری طریقہ تعبیر ہے آپ نے فرمایا کہ چچا جان اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں تب بھی میں اعلان حق سے باز نہ آؤں گا پھر اوس کے بعد سے رسالت کا وہ سین ملاحظہ ہو جبکہ حضرت عمر رض شہر میں جو اسباب کی آپ کے ایک کوٹھری تھی حاضر ہوئے انہوں نے جو کچھ ساز و سامان کی ایک بادشاہ کے گھر کیفیت دیکھی وہ یہ تھی کہ جسم مبارک پر صرف ایک تہبند ہے۔ ایک کھری چارپائی بچھی ہوئی ہے سرہانہ ایک تکیہ پڑا ہوا ہے جس میں خرمے کی چھال بھری ہے ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں ایک طرف کونے

میں پائے مبارک کے پاس کسی جانور کی کھال پڑی ہوئی ہے کچھ
مشکیزہ کی کھالیں سر کے پاس کھونٹی پر لٹک رہی ہیں۔ یہ دیکھکر
حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے آنحضرت
صلعم نے رونے کا سبب دریافت کیا عرض کی کہ یا رسول اللہ میں
کیوں نہ روؤں چارپائی کے بان سے جسم اقدس میں بدھیاں
پڑگئی ہیں اور یہ آپ کا اسباب اور سامان ہے جو مجھے نظر آرہا
ہے۔ قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹیں اور آپ خدا کے
پیغمبر اور برگزیدہ ہوکر اس حالت میں زندگی بسر کریں۔ ارشاد
ہوا کہ اے خطاب کیا تم کو پسند نہیں کہ

وہ دُنیا لیں اور ہم آخرت

جلوہ برمن مفروش اے ملک الحاج کہ تو
خانہ مے بینی و من خانہ خدا مے بینم

الغرض توکل کے یہی معنی ہیں کہ انسان کوششوں کے نتائج
اور واقعات عالم کے فیصلے کو خدا کے سپرد کردے۔ اسباب و علل کے
پردے اوس کے سامنے سے اوٹھ جائیں اور براہ راست وہ ہر
چیز اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں دیکھے۔ انسان کا استقلال
عزم جرأت اور حیا کی یہ تمام باتیں ایسی ایک اصل کے پرتو ہیں
اور اسی کی بدولت مشکل سے مشکل اوقات میں بھی زمام صبر
اوس کے ہاتھ میں سے نہیں چھوٹتی۔
مذکور ہے کہ سقراط کہیں راستہ میں بیٹھا ہوا دھوپ کھا رہا

تھا بادشاہِ وقت کی سواری اوس طرف سے گذری لیکن وہ تعظیماً
کھڑا نہیں ہوا چوبدار نے اس گستاخانہ حرکت کی وجہ دریافت کی
اوس نے جواب دیا کہ بھلا میں اپنے غلام کے غلام کے واسطے
کیوں کھڑا ہونے لگا تھا بادشاہ نے یہ فقرہ سنا اور متعجب ہو کر
پوچھا کہ تیرا وہ کون غلام ہے جو میرا بھی آقا ہے سقراط نے جواب
دیا کہ شہوت اور غضب جس کے تم محکوم ہو وہ میرے غلام ہیں اس
لحاظ سے تم میرے غلام کے غلام ہو۔ بادشاہ نے اس بات کو پسند
کیا اور اپنے ساتھ چلنے کو کہا مزے دار کھانے اور نفیس پوشاکوں کا
لالچ دیا سقراط نے جواب دیا کہ جن چیزوں سے بھوک دور ہو اور
بدن ڈھک جائے اون پر تمہارے جواہرات کو ہرگز فضیلت
نہیں ہو سکتی ہے جس چیز سے زندگی قائم رہے اس میں میرا
مشغول رہنا اور جو چیز موت کی مشابہ ہے اوس کو لٹاتے رہنا
کافی ہے سقراط کو زمین کے پتھروں گھانس پات اور کیڑے
مکوڑوں کے لعاب کی مطلق ضرورت نہیں ہے جن کے ساتھ
جہاں کہیں وہ جائے گا محتاج ہی رہے گا۔ بادشاہ کے مسخرے
نے کہا کہ تمہاری بدقسمتی کی بھی کوئی حد ہے کہ دنیا کے انواع واقسام
کی نعمتوں حسین عورتوں شراب عمدہ عمدہ گوشت لذیذ کھانے
وغیرہ سب سے محروم ہو سقراط نے جواب دیا کہ جو عورتوں پر حریص
ہوتے ہیں یا اپنے پیٹ کو حیوانوں کا مقبرہ بناتے ہیں اور پھر اپنے
ان افعال پر خوش ہیں اور ایک وہ کہ جس نے فانی کے آباد کرنے
کو باقی کے آباد کرنے پر ترجیح دی ہو کچھ تعجب نہیں ہے کہ اس

کے نزدیک یہ چیزیں دنیا کی نعمتیں ہوں اوس کا یہ بھی مقولہ ہے کہ اپنی ضرو
فکریں کم کرو تو تمہاری مصیبتیں بھی کم ہوں گی کیونکہ مزہ ایک میٹھی
چھری ہے

شاہد دنیا ہمہ مکرست و فریب
عارفان بر سر این نکتہ نپیچند ز ریب

انجاموں کو یقین کے ساتھ معلوم کرلینا ہمارا کام نہیں ہے
البتہ یہ ہم جانتے ہیں کہ نیکی ہمیشہ بدی میں سے اور بدی نیکی میں
سے نکلا کرتی ہے۔ بظاہر یہ چپقلش اس وجہ سے ہے کہ جسم میں
دو ضدین خاصیتیں موجود ہیں جس نے انسان کو اس کشاکش میں
ڈال رکھا ہے جیسا کہ اس باب کے ابتدائی اشعار سے واضح
ہوا ہوگا۔ جسم ایک حجاب ہے اور روح اوس کے لئے بطور
ایک خدائی فوجدار کے واقع ہوئی ہے مثال اوس کی اس طرح
پر ہے کہ روح کا تعلق جسم کے ساتھ دنیاوی حیثیت میں ایسا ہے
کہ جیسے کوئی شخص کسی نئے مقام پر جا پہونچتا ہے اور غیر ملک غیر
زبان اور اجنبی ہونے کی وجہ سے اوس کو ایک درمیانی شخص انٹر
پریٹر کی ضرورت پڑتی ہے چونکہ روح کو اس دنیا میں آن کر
مادیات سے تعلق رکھنے کی ضرورت تھی اس لئے یہ جسم خاکی اوسکو
بطور ایک انٹرپریٹر کے عطا ہوا اور اس کو ید قدرت سے ایک اعلیٰ
قسم کی مکمل مشین بنا دیا اس مختصر سی مثال کے بعد لفظ ہم جو
ہمارے دن رات کے استعمال میں ہے اوس کی تشریح کی
ضرورت تھی آیا جس چیز کو ہم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس

سے دراصل یہ جسم خاکی مراد ہوتی ہے یا اوس روح سے جس
سے اوس کی بقا ہے یا دونوں سے اس کا آسان جواب یہی ہے
کہ ہم کہنے والی چیز دراصل روح ہے لیکن یہ جواب تو کسی قدر تامل
سے دینا ہوگا ورنہ عام طور پر "میں" یا لفظ ہم سے مراد اسی جسم خاکی
سے ہوتی ہے اور اس خیال کو مضبوط ہو جانے کے بعد نتیجہ یہ نکلتا
ہے کہ یہ انٹرپریٹر یعنی ایک درمیانی چیز اس طرح مغالطہ میں
ڈالکر حکمراں بن بیٹھتی ہے اور وزیر بے تمیز شہر یار بے خبر کی
مصداق بنکر روح کو بھی اپنی ہم جنس گلنے سڑنے والی چیزوں
میں منہمک کر دیتی ہے لیکن جو ارواحیں حقیقت شناس ہیں
وہ اس انٹرپریٹر جسم کو اپنے قابو ہی میں رکھتی ہیں اور اعتدال سے
تجاوز نہیں کرنے دیتیں اپنے اور اوس کے درمیان میں ایک
حد فاصل قایم کر لیتی ہیں تاکہ اوس کی آزادی کا ٹمیر سچہ ہر لمحہ آنکے
پیش نظر ہے اور جب کبھی یہ جسم مکر و فریب سے دنیا کی
عارضی دل آویزیوں اور مستیوں کی جانب اس ہم کو متوجہ کرنا چاہتا
ہے تو دور اندیش روحیں مثل ایک ہوشمند چابک سوار کے جو
ہر وقت گھوڑے کی کان کنوتی کا دہیان رکھتا ہے کبھی تسلی تشفی
اور دلاسے سے کبھی ایڑ اور چابک کی مدد سے جیسا موقعہ ہو
اوس کو اعتدال پر قایم رکھتی ہیں اور جب اس کے خلاف
ہوتا ہے تو وہ سمجھ لیتی ہیں کہ ناپاکی کا کھٹا ناپاکی ہی میں خوش
رہتا ہے اوس کا ساتھ چھوڑ کر علیحدگی اختیار کر لیتی ہیں اور جسم
جو اوس کا طابع فرمان ہے اوس ناپاک حرکت سے باز رہتا

ہے مگر واضح رہے کہ یہ کوئی آسان بات نہیں ہے کیونکہ اسی انٹر پیشر کا نام شیطان ہے اور یہ ہم سے بہت قریب ہے۔ کبھی کانوں کے ذریعہ سے سریلی آوازیں پہونچاکر اس طرف متوجہ کرتا ہے کبھی آنکھوں سے مستانی ادائیں اور دل لبھا لینے والی پیاری پیاری صورتیں دکھلاکر کشش پیدا کرتا ہے کبھی ناک سے روح افزا خوشبوئیں سنگھا کر جوش دلاتا ہے کبھی منہ سے مزے دار کھانے کھلاکر قوت نفسانی میں اشتعال پیدا کرتا ہے غرضکہ گمراہ کرنے کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا اور اس طرح پردہ کی ٹٹی کی آڑ میں خوب شکار کھیلتا ہے شعر

بعزم توبہ سحر گفتم استخارہ کنم
بہار توبہ شکن میرسد چہ چارہ کنم

اصلیت یہ ہے کہ ہم ان صفات شیطانی کا جو ہمارے پاک خدا اور سچے پیغمبر نے بتلائی ہیں ان واقعات کے ساتھ اپنے میں اثر تو پاتے ہیں لیکن کسی وجود خارجی کی مجسم تصویر نظر نہیں آتی یہ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ دن رات شیطان ہمکو بہکاتا ہے اور گناہ کراتا ہے لیکن کوئی وجود خارجی محسوس نہیں ہوتا بالآخر ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ خود ہم ہی میں بعض قوتیں ہیں جو ہمکو سیدھے راستے سے پھیرتی ہیں ہم کو بے انتہا ترغیبوں سے بہکاتی ہیں ہم شیطان کے نام سے بیزار ہوتے ہیں اور اوس کی تاک میں لگے رہتے ہیں اور جب کبھی خواب میں وہ ہمیں نظر آجاتا ہے تو ہم غصے سے اوس کی داڑہی پکڑ لیتے ہیں اور ایک طمانچہ اوس کے گال پر رسید کرتے ہیں مگر جب آنکھ کھلتی ہے تو اپنی ہی داڑہی اپنے ہاتھ میں اور اپنا ہی گال لال

دیکھتے ہیں۔

اوروں پہ معترض تھے لیکن جو آنکھ کھولی
اپنے ہی دل کو ہمنے گنج عیوب دیکھا

اے روحی انسان اس نمائش گاہ عالم کی اس اسٹریم پیڑ جسم کے ذریعہ سے خوب سیر کر لیکن اس کی عیاری سے ہر وقت ہوشیار رہ اگر تو نے زرا سی بھی غفلت کی تو یقین جان کہ یہاں کے گندے اور ناپاک چھینٹوں اور بدنما گرد آلود داغ دہبوں سے تیرا لطیف اور پاک صاف اچھوتا دامن عصمت و عفت خراب ہو جائے گا۔ کسی دریا کے منبع اور مخرج کو دیکھو کہ برفستانی اور کوہستانی مقام سے کس قدر صاف اور شفاف حالت میں نکلتا ہے لیکن اوس کے بعد ہی جب اس میں میلے اور گدلے پانی کی ندیاں شامل ہو جاتی ہیں تو اوس میں نہ وہ لطافت باقی رہتی ہے نہ مزہ اور خاصیت یہی حالت روح کی ہے آپ خود ہی اندازہ کر لیجئے کہ یہ بگلا بھگت نفس کس کس طرح سے کامیابی حاصل کرتا ہے کسی کا قول ہے کہ تو فانی اور عارضی اشیاء سے محبت مت کر کیونکہ اس سفر کے بعد تجھے روحانی دنیا میں قیام کرنا ہوگا۔

زاہد از کوچۂ رنداں بسلامت بگذر
تا خرابت نہ کند صحبت بدنامے چند

اے انسان اگر تو روح کو بادشاہ اور اپنے جسم کو رعایا خیال کر لے تو شاید تو اس کی حکمرانی بہتر کر سکے گا۔ ملک گیر بادشاہوں نے کیا خاک بادشاہت کی جبکہ اون کو اپنے نفس پر ہی قابو نہ تھا۔
مشہور ہے کہ ایک شخص نے کسی بادشاہ سے سوال کیا کہ آپ نے

فلاں ملک فتح کیا اب کیا کیجیئگا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ اب میں کوئی دوسرا ملک فتح کروں گا پوچھا بالفرض آپ نے اس طرح پر ہفت اقلیم فتح کریا تب کیا کیجئے گا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ تب میں آرام چین سے بیٹھکر زندگی بسر کروں گا۔ اوس نے کہا کہ حضور ابھی آپ ایسا کیوں نہیں کرتے اور آپ کے آرام و راحت میں کون مخل ہوتا ہے۔ سچ ہے جن کا پیٹ ایک سوکھی روٹی کے ٹکڑے سے نہیں بھرا اوس کو ہفت اقلیم فتح کرکے بھی سیری نہیں ہو سکتی ہے

انکو تھا ناز کہ حاصل ہی بہے راحت وعیش
میں نے جانچا تو نہ تھا کچھ بھی وہ غفلت کے سوا

بھوکا ہمیشہ بھوکا ہی رہے گا۔ بڑا زور آور وہی ہے جو ہجوم کے اندر سے نرمی اور ملائمت سے باہر نکل آوے اور ضعیفوں اور بچوں کو پامال نہ ہونے دے دیکھو کہ بہت سی چڑیوں میں اناج کا دانہ ڈالدینے سے یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک چڑیا اوس دانہ کو جلدی سے چگ لیتی ہے اور پھر خاموشی سے دوسرے اور تیسرے دانہ کا انتظار کرنے لگتی ہے لیکن اگر ایک بڑا ٹکڑا روٹی کا اون کے سامنے ڈالدیا جاوے۔ تو وہ لالچ میں ایک دوسرے کو چونچ اور پنجوں سے زخمی کرڈالتی ہیں اور نصف خرابی اوس کا تھوڑا تھوڑا حصہ اون کو ملتا ہے بعینہ یہی حالت جانوروں اور بعض انسانوں کی بھی ہے۔ غربا میں کھانے پینے پر آئے دن فساد اور جھگڑے ہوا کرتے ہیں اور امرا اور رؤسا میں مال اور دولت کے لالچ میں ماں باپ بھائی بہن اور عزیز قریب چھوٹ جاتے ہیں یا تو مقدمے بازی ہوتی ہے اور معاملات

غرضکہ تب تک ہی محدود رہتے ہیں اور کبھی ایک دوسرے کی جان کے خواہاں بن جاتے ہیں۔

تو نیک و بد خود ہم از خود بپرس
چرا دیگرے بایدت محتسب

(یعنی تو اپنی برائی بھلائی اپنے آپ سے کیوں نہیں پوچھتا دوسروں کو بیچ میں ڈالنے سے کیا فائدہ) چوری دغا اور ڈاکہ زنی وغیرہ جرائم کیا ہیں اسی مکر و لالچ کی شاخیں ہیں۔ امارت ایک عارضی بات ہے اوس پر اعتبار کرنا محض دھوکا ہے۔ پیغمبر اسلام کا فرمان ہے کہ امارت یا اپنے بڑوں پر فخر کرنا ترک کردو کیونکہ ساری نسل انسان حضرت آدم کی اولاد ہے جو مٹی سے پیدا ہوئی ہے۔ الغرض یہ سارے تماشے پیٹ بھرنے کے ہیں دولت جب ہاتھ سے نکل جاتی ہے تو انسان کے غرور کا بت ساحصہ خاک میں مل جاتا ہے۔

زوال جاہ و دولت میں بس اتنی بات ہے اچھی
کہ دنیا کو بخوبی آدمی پہچان لیتا ہے

اس خاکسار کو کچھ مدت تک ملک راجپوتانے میں جہاں کہ بھیل جو ایک وحشی اور جنگلی قوم کثرت سے آباد ہیں رہنے کا اتفاق ہوا اور میں نے اون کے عادات اطوار کو کسی قدر گہری نظر سے دیکھا ہے یہ لوگ نہایت اختصار پسند زندگی کے عادی ہیں اپنی حفاظت کے واسطے تیر کمان ہر وقت اپنے پاس رکھتے ہیں اور ستر پوشی کے واسطے گز دو گز کپڑا ہی اون کا سامان اور دولت ہے۔ یہ لوگ قانع متوکل اور اعلیٰ درجہ کے بہادر اور مہمان نواز ہوتے ہیں۔ میں نے اس

مفلس قوم میں یہ عجیب بات دیکھی ہے کہ بھوک سے ہلاک ہونا پسند کرتے ہیں لیکن بھیک نہیں مانگتے اور حتی الوسع محنت مزدوری سے پیٹ بھرنے کے عادی ہیں۔ جو کچھ اون کی قسمت کا اون کو مل جاتا ہے اوس کو وہ لوگ آپس میں بانٹ کر کھا لیتے ہیں میں نے ان میں سے اکثر کو کئی کئی روز کا بھوکا پایا لیکن زبان سے کچھ نہیں کہتے اور شکر کرتے ہیں اگر کوئی اجنبی شخص اون کے چھوٹے چھوٹے جھونپڑوں کے قریب سے گذرتا ہے تو جہاں تک اون کے امکان میں ہوتا ہے اوس کے ساتھ خاطر تواضع اور کمال درجہ مہمان نوازی سے پیش آتے ہیں وہ لوگ روپیہ پیسہ جمع کرنے کے عادی نہیں ہیں اور جو کچھ وہ پیدا کرتے ہیں اوس کو خندہ پیشانی سے فراخدلی سے خرچ کر ڈالتے ہیں۔ غالباً دولت نہ ہونے کی وجہ سے ان میں یہ ساری خوبیاں موجود ہیں ورنہ نہ ہوتیں۔ حاصل کلام جس طرح پر جسم کے گلے سڑے حصے کو کاٹ کر جلد تر علیحدہ کر دیا جاتا ہے تاکہ اچھے حصے پر اوس کا زہریلا اثر نہ ہو اسی طرح بُری عادتوں کو بھی اپنے سے علیحدہ کر دینے میں جلدی کرنی چاہیئے ورنہ بعید نہیں ہے کہ وہ اپنے زہریلے اثر سے اچھی خصلتوں میں بھی برا اثر پیدا کردے۔ اگر آج ہم یہ سمجھیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے تو وہ صورت اختیار کرنی چاہیئے جس کے واسطے ہمیں کل سوچ کر پچھتانا نہ پڑے کہ ہم نے ایسا کیوں کیا۔

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
سچ وہ ہے جو آپ مُنہ سے بولے

دیکھو کہ میلے اور گدلے پانی کی مٹی جب تہ میں بیٹھ جاتی ہے تو وہ

صاف اور شفاف ہو جاتا ہے اور اوس کو چھیڑ دینے یا ہلانے سے پھر وہ پانی خراب ہو جاتا ہے۔ بچوں کو جس طرح پر کہ بتدریج کھانا پینا۔ بولنا۔ چلنا وغیرہ سکہایا جاتا ہے اسی طرح پر اون کو ابتدا ہی سے روحانیت کی بھی تعلیم دینا چاہیئے ورنہ بعد میں جب یکبارگی اِن نئی معلومات کا بوجھ پڑتا ہے تو اوس وقت یا تو وہ اس کو غیر ضروری چیز خیال کرنے لگتے ہیں یا اس کو عملاً سمجھنا اون کے حدِ امکان سے باہر ہو جاتا ہے۔

ہمیں اِن تمام مثالوں سے یہ سمجھکر کہ نفس پر قابو پانا دشوار یا ناممکن ہی مایوس نہ ہو جانا چاہیئے۔ اگر آپ نے عشقِ مجازی کے تصور کا لطف کبھی اوٹھایا ہے تو یقیناً آپ اوس کیفیت سے بھی آگاہ ہوں گے کہ تصورِ معشوق میں انسان تمام گرد و پیش کے حالات سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ پس اگر وہ حالت ایک مادی اور فانی چیز کے خیال میں جس کا حسن زوال پذیر ہے اس قدر محو تماشا بنا دینے والی ہے تو خدا کی محبت تو اوس سے کہیں زیادہ مست اور بے خود بنا دینے والی ہونی چاہیئے ہمیں "ناگر کا چیت گاگر" والی مثال پر کاربند ہونا چاہیئے۔ کیا آپ نے کبھی پنہاریوں کو کنویں سے پانی بھر کر گھڑوں میں پانی لاتے ہوئے دیکھا ہے۔ باوجودیکہ دو دو گھڑے اون کی بغلوں اور سروں پر ہوتے ہیں اور بے تکلف وہ آپس میں ہنسی مذاق اور چہل بازی میں راستہ طے کرتی ہیں لیکن نہ پانی چھلکتا ہے نہ کوئی گھڑا گرتا ہے وجہ اوس کی یہ ہے کہ اون کا اصلی چیت یعنی خیال اون گھڑوں میں ہوتا ہے پس اس مثال پر کاربند ہو کر اگر ہمارا وقت محبت الٰہی میں گذر گیا اور ہم

عقلمندانہ اپنے ہاتوں کو زندگی کی آگ سے گرم کرتے رہے تو یقیناً ہمنے اس سے زیادہ حاصل کر لیا جتنا کہ ہم کھو چکے ہیں۔

غرض ز مسجد و میخانہ ام وصال شماست
جز این خیال نہ دارم خدا گواہ من ست

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا کہ یا روح اللہ روئے زمین پر اور بھی کوئی آپ کی مثال ہے فرمایا البتہ وہ شخص ہے کہ جسکا کلام بالکل ذکر ہو۔ خاموشی بالکل فکر ہو اور نظر بالکل عبرت ہو ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ تقویٰ وہ ہے کہ تو اپنے نفس کو کسی سے بھی اچھا نہ پاوے اور حضرت امام حسن علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ متقی جسے دیکھتا ہے یہ خیال کرتا ہے کہ یہ مجھ سے بہتر ہے۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے کعب احبار سے سوال کیا کہ فرمایئے تقویٰ کس کو کہتے ہیں انہوں نے دریافت کیا کہ آپ کو کبھی خاردار جھاڑیوں والے راستے سے گذرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ فرمایا ہاں۔ کعب احبار نے پھر سوال کیا کہ آپ نے ایسے موقع پر کیا کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ایسے موقع پر میں نے احتیاطاً کانٹوں سے بچنے کیلئے دامن کو سمیٹ لیا۔ کعب بولے "بس اسی کا نام تقویٰ ہے"۔

بیا کہ ہاتف میخانہ دوش بامن گفت
کہ در مقام رضا باش از قضا مگریز

روحانیت

دوش دیدم کہ ملایک در میخانہ زدند — گلِ آدم بسرشتند بہ پیمانہ زدند
ساکنانِ حرم سترِ عفافِ ملکوت — با منِ راہ نشین بادۂ مستانہ زدند
آسماں بارِ امانت نتوانست کشید — قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ ۙ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۚ

(تو کہہ کہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے۔ نہ کسی کو جنا اور نہ کسی نے جنا اور نہ کوئی اوسکا ہمسر ہے)۔

روحانیت کا قیام صرف اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ توحید مانی جاوے ورنہ روحانیت غارت ہو جاوے گی اور ایک سے زاید جو مفروضہ خدا مانے جاویں گے ان میں رقابت قیاس کر لینے کی کافی وجہ پیدا ہو جاوے گی۔ نعوذ باللہ ایک خدا کہے گا کہ دن کروں دوسرا کہے گا کہ نہیں رات ہونی چاہیئے۔ ایک کہے گا کہ پانی برساؤں دوسرا کہے گا کہ نہیں خشک سالی ہونی چاہیئے اس سے یہ معنی ہوئے کہ روحانیت جو اس قسم کے امورات رقابت کی بیخ کنی کرتی ہے وہی اُس کی اصلی جان بن جاوے گی پھر روحانیت کہاں باقی رہی۔

یک حرف صوفیانہ بگویم اجازت ہست
اے نور دیدہ صلح بہ از جنگ و داوری

(اگر تو پسند کرے تو میں ایک صوفیانہ بات کہوں کہ دوئی کو دخل مت دے اے آنکھوں کی روشنی جھگڑے فساد سے صلح بہتر ہے۔)

یہ کون نہیں جانتا کہ خدا کہاں نہیں ہے خدا کیا نہیں کرسکتا۔ روحانیت کوئی دوا نہیں جو کونڈی سونٹے سے گھونٹ کر پلا دیجاوے اور اوس دوا کے اثر سے اوس کو خدا نظر آنے لگے۔ یہ تو ایک علم ہے جو جاننے سے آتا ہے یہ کرنے کی بدیات ہے جو کرنے سے آتی ہے۔ یہ ایک سرور اور کیفیت ہے کہ جب اوسکا اثر قلب پر ہوتا ہے تب انکشافات روحانی پیدا ہونے لگتے ہیں۔ بعض وجدانی اور روحانی ذرائع ایسے بھی ہیں کہ جن سے انسان خدا کی ہستی کا بمقابلہ اپنی ہستی کے زیادہ قائل ہوجاتا ہے ایسی حالت میں وہ خدا کو دیکھتا بھی ہے اور اوس کی آواز بھی سُنتا ہے لیکن یہ صورت صرف اوسی وقت ہوتی ہے جب اوسکا قلب عشق الٰہی سے معمور ہوجاتا ہے۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ اگر حجاب ظاہری جو خدا اور اوس کی مخلوق کے درمیان حائل ہیں ہٹا بھی لئے جادیں تو ایک مسلم کا ایمان اپنی جگہ سے کچھ بھی زیادہ نہ بڑہے گا کیونکہ جو کچھ ایمان اور حسن عقیدت ایک مسلم کے حصے میں آئی ہے وہ اوس کی روحانی تسکین کے واسطے بہت کافی ہے اوسکا قدم ایک انچہ پیچھے نہیں ہٹتا بلکہ آگے ہی کی طرف بڑہتا جاتا ہے۔

ذہن میں جو گھر گیا لا انتہا کیونکر ہوا
جو سمجھ میں آگیا پھر وہ خدا کیونکر ہوا

کسی لکڑی کی چیز کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ یہ کسی نجار کی بنائی ہوئی ہے لوہے کی چیز کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ لہار کی بنائی ہوئی ہے لیکن اس عالم موجودات میں ہم بعض ایسی بھی چیزیں پاتے ہیں جو سوائے یدقدرت کے کوئی دوسرا بنا ہی نہیں سکتا۔ سائنس خواہ کتنی بھی ترقی کر لے انسان خواہ بے پر کے کتنا بھی اڑ لے کیا وہ ایک ذرا سے بیج سے لاکھوں من کا درخت پیدا کر سکتا ہے کیا وہ موت اور زندگی کے خزانے کا مالک بن سکتا ہے۔

بڑے بڑے فلاسفر صرف صانع قدرت کی ان کاریگریوں کو دیکھکر ہی قائل ہو گئے اور بن دیکھے خدا کو مان گئے۔ انسان تو وہ چیز دیکھ سکتا ہے جو دراصل کوئی چیز ہو اور جب کوئی چیز نہ ہاتھ سے چھوئی جا سکتی ہو نہ دوربین سے دیکھی جا سکتی ہو تو اوس کو یہ آنکھیں کیسے دکھلا سکتی ہیں۔

نہیں سائنس واقف کار دین سے
خدا باہر ہے حد دوربین سے

ایک مسلمان جب لفظی تکرار پر آتا ہے تو خدا کی ہستی کو علت معلول سے ثابت کرتا ہے کیونکہ ہر معلول کے لئے علت درکار ہے اور اس سلسلے کی ابتدا ایک سبب اول کو چاہتی ہے اسکے بعد وہ اون کو اس صفات سے متصف کرتا ہے جو ایک مہربان خالق میں ہونی چاہئیں اگر اوس مسلم کے لئے کوئی بات جایز نہیں تو وہ صرف اس قدر ہے کہ خدا کو انسانی اصطلاحات کی حدبندی کے اندر لاکر دکھلا دے۔

جلوہ ذات ہست اگر دیدہ بینائی ہست   ایں جہان آئینہ آئینہ سیمائی ہست
ہر دو عالم ارض و سما آئینہ شکل اند ہمہ   میتواں یافت کہ در پردہ خود آرائی ہست

قبل اس کے کہ روح کے تفصیلی حالات کی غرض سے آگے بڑھا جاوے یہ بتلانے کی ضرورت ہے کہ انسان جو اعلیٰ قوائے جسمانی ظاہر کرتے ہیں کیا وہ مادی جسمانی مملکت کے باہر بھی کوئی نمایاں اور قابل قدر ترقی کر سکتا ہے؟ وہ یقیناً ایسا کر سکتا ہے بشرطیکہ روحانی منازل طے کرنے پر قطعی آمادہ ہو جاوے۔ اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو لازمی نتیجہ یہ ہوگا ترقی ماکوس کرے گا اور پستی کی طرف مائل ہو جائے گا۔ دنیا میں خواہ وہ کچھ ہی ترقی کر لے لیکن عالم ارواح میں اوس کی کوئی وقعت نہیں ہو سکتی اور اوس کو اپنے محکوم ذرات کا شکار ہونا پڑے گا۔ اصلیت یہ ہے کہ جب عقل انسانی کسی کام کے کرنے یا اوسکی ماہیت کے سمجھنے سے عاجز آجاتی ہے تو انکار کی جرأت کر بیٹھتی ہے۔ ایسی حالت میں اوس کو قوانین قدرت کا مطالعہ کرنا چاہیئے کیونکہ وہ صحیح اور سیدھے راستے ہیں۔ جس طرح کہ قوانین دنیا ہماری موجودہ زندگی کو پر امن بناتے ہیں اسی طرح قوانین آخرت ہماری روحانی زندگی کو جو اس زندگی سے کہیں زیادہ دیرپا اور لطیف ہے خوشگوار بنا سکتے ہیں۔ تندرستی اور فارغ البالی میں انسان کی استغنائی ضرورت سے زیادہ بڑھ جاتی ہے اور بجائے شکر کے شکایت آمیز پہلو اختیار کر لیتا ہے۔

رموز مصلحت خویش خسرواں دانند
گدائے گوشہ نشینے تو حافظا مخروش

لیکن اگر بدقسمتی سے انسان کسی شدید مرض یا تکلیف میں مبتلا
ہوجاتا ہے اور تمام عقل و تدبیریں فیل ہوجاتی ہیں تب موت کا
فرشتہ اپنی ہیبت ناک شکل دکھلا کر آن واحد میں اوس قوت کی طرف
رجوع کرا دیتا ہے جو ڈوبتے ہوئے کو تنکے کا سہارا ہوجاتی ہے۔ ہم میں
بہت کم ایسے ہیں جو سمجھانے سے سمجھ سکیں بلکہ زیادہ وہ ہیں جنکو مشاہدہ
اور تجربہ سختی سے سمجھایا کرتا ہے۔ ہماری جسمانی پرورش کا ہمارے
مالک کو کس قدر خیال ہے جب انسان اپنی غذا کے واسطے بیقرار
ہوتا ہے تو موسم ربیع کو بھیجتا ہے اور خشک سالی ہوتی ہے تو وہ
ابر رحمت سے پانی برساتا ہے البتہ صاحبان فکر و عقل کے لئے بہت
کچھ نشانیاں ہیں۔

روح کے بارے میں عقلا کے فلسفیانہ خیالات کچھ اور ہی ہیں لیکن
اسلام نے اس کو کچھ دوسری ہی طرح پر سمجھایا ہے بعض کا خیال ہے
کہ جسمانی قوت کے بہترین نچوڑ کا نام روح ہے بعض خون کی عمدہ
اور حرارت کو روح بتلاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ روح کسی دوسری
قوت کی محتاج نہیں بلکہ ایک خود مختار قوت ہے۔ حالانکہ اس کا
وجود ہر ایک متنفس میں پایا جاتا ہے لیکن کوئی ایک بھی یقین کے
ساتھ نہیں بتلا سکتا کہ یہ عجیب و غریب چیز اوس کے جسم کے کس حصہ
میں قیام پذیر رہتی ہے۔ یورپ نے شروع میں روح کی تحقیقات کو قطعاً
غیر ضروری خیال کرکے دلچسپی کم کردی تھی لیکن کتاب القبول میں
ایک صاحب تحریر کرتے ہیں کہ یورپ کا پھر اس طرف خیال ہوا
ہے اور ایک سوسائٹی کے بعض اصحاب بعد از مرگ روحوں سے

گفتگو کرنے میں کامیاب بھی ہو چکے ہیں جس کو اصطلاح تصوف میں کشف القبور کہتے ہیں۔ ۱۸۷۳ء میں ایک انجمن انگلستان میں "سوسائٹی فور سائیکل ریسرچ" کے نام سے قائم ہوئی تھی جسکے پرجوش ممبران ایڈمنڈ گرنے۔ الیف ایچ ڈبلو مایرز اور ڈاکٹر رچرڈ مردوں سے گفتگو کرنے کی مشق بہم پہونچاتے تھے۔ جو بالآخر اس نتیجہ پر پہونچے کہ اون سے گفتگو کرنا ممکنات سے ہے۔ اون کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر مردے زندوں سے گفتگو کرنا چاہیں تو کسی نہ کسی ترکیب سے کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس ارادے کو وہ اپنے ساتھ لیگئے اور جبکہ گرنے کا انتقال ۱۸۸۸ء میں اور مایرز کا ۱۹۰۱ء میں اور ہاجس کا ۱۹۰۵ء میں ہوا تو انہوں نے بعض لوگوں سے گفتگو بھی کی جس کی مثال مسز ہالینڈ ایک لیڈی قابل الذکر ہیں مایرز نے ایک اور لیڈی کو یہ بھی بتلایا کہ میری کتاب روحانیت میں فلاں فلاں مقام پر جو غلطیاں ہیں اون کی اصلاح اس طرح پر کردی جاوے۔ یعنی روح غیر فانی ہے۔ جو چیز ایک مرتبہ پیدا ہو گئی وہ ضائع نہیں ہوتی۔ مادّہ تغیر پذیر ہے۔ ہمیشہ باقی رہنے والی نیکی صرف خدا کی محبت ہے۔ مردے محبت کے آرزومند ہوتے ہیں رونے پیٹنے کے نہیں ہوتے۔ اُن کی گفتگو کا بھی عجیب انداز ہے جس سے وہ گفتگو کرنا چاہتے ہیں اوس پر ایک خاص قسم کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور ہاتھ خود بخود کچھ لکھنے لگتا ہے۔ وہ یہ بھی بتلاتے ہیں کہ مردوں کا زندوں سے باتیں کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے کیونکہ جس مردے کی روح میں کافی قوت ہوتی ہے وہ باتیں کر سکتا ہے ورنہ کوئی چیز ایک دلدار شیشے کی طرح پر درمیان میں حائل ہو جاتی

ہے کہ جس کے اوس پار نظر تو آتا ہے لیکن آواز اپنا کام نہیں کر سکتی۔
انگلستان کا ایک اخبار نویس ڈبلو ٹی اسٹڈ پروفیسر لائف افٹر ڈیتھ
اپنے ذاتی تجربات اور تحقیقات کی بناء پر مردوں سے گفتگو کرنے کا بڑا
حامی ہے اور کسی دور مقام سے ایک زندہ شخص کا زندہ سے باتیں
کرنا بھی وہ ثابت کر چکا ہے۔ زمانہ ماضی میں جبکہ ایشیائی ممالک میں
اس تحقیقات کا شباب تھا تو یہ لوگ حکماے اشراقین کہلائے
جاتے تھے۔
انگلستان اور امریکہ کے مشہور معروف ریشنلزم یعنی معقول پرستوں کے
بعض مضامین میں مذکور ہے کہ موت کی گھاٹی سے گذر کر انسان کی ہستی
اسی طرح پر قایم رہتی ہے جیسی کہ دنیا میں وہ لوگ دلائل سے اس
بات کو ثابت کرتے ہیں ایک ان میں سے یہ بھی کہتا ہے کہ سائیکل
ریسرچ سوسائٹی کے اس قسم کے تجربات نے روح کی آیندہ زندگی
سے انکار کرنے والے مجھ جیسے کٹر سائنٹفک دماغ اور مادہ پرست کے
اعتقاد کو بیخ و بن سے اوکھاڑ کر پھینک دیا اور اس بات کا قائل کر دیا
کہ خاک جب خاک میں ملجاتی ہے اور تمام عنصر الگ الگ ہو جاتے
ہیں تو روح اس حالت میں بھی بدستور قایم رہتی ہے اور اسکی شخصیت
کو ایک منٹ کے واسطے بھی نقصان نہیں پہنچتا البتہ باہر والے جسم
کا ڈھانچا خراب و خستہ ہو جایا کرتا ہے۔ مسٹر ڈبلو ٹی اسٹڈ نے اپنے
خیالات کا اظہار سب سے پہلے سنہ ۱۹۰۱ء میں کیا تھا اور پروفیسر الفرڈ
رسل ولیس نے بھی قریب قریب اسی قسم کی راے زنیاں کی ہیں
مسٹر کرکس کی رائے میں اس قدر اور اضافہ ہوا ہے کہ روح اپنے

گردش کے مادے کو جمع کر کے جسم بنا سکتی ہے بشرطیکہ اس میں اس بات کی کافی قوت موجود ہو مسٹر انڈر ڈیوس اسپری چولسٹ ساکن امریکہ نے ظاہر کیا ہے کہ ایک پاک روح کو موت سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ وہ ایک بہترین جگہ میں نفیس جسم اختیار کر لیتی ہے۔ مسٹر کملی فلی مورن ایک سائنس داں نے اپنے تجربات کی بنا پر ظاہر کیا ہے کہ فزیالوجی اور اس کے ماننے والے ہمیں بتلاتے ہیں کہ یہ خیالات ہمارے دماغ کا نتیجہ ہیں اسی طرح پرس میرٹ نے بھی اپنی کتاب ڈیراز نو ڈیتھ میں جس کا ترجمہ برادر معظم جناب اختر محمد خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر نے کیا ہے اپنے ذاتی تجربات کی بنا پر اس بات کو واضح طور پر ثابت کیا ہے کہ ارواح کے تعلقات ایک خاص حالت کے ساتھ اعزا اور احباب سے بعد مرگ بھی اسی طرح پر قائم رہتے ہیں جیسے کہ دنیا میں بلکہ بعض اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ روحیں جن میں روحانی خاص قابلیت ہوتی ہے بجنسہ یہی مادی جسم بنا کر ملتی جلتی ہیں کم عمر بچے مرنے کے بعد روحانی دنیا میں بھی پرورش پا کر بڑے ہوتے ہیں۔ اپنی دنیاوی بدکرداریوں پر روحیں شرمندہ اور پشیمان ہوتی ہیں۔ جرائم کرنے والوں کی بعض روحیں نہایت کرب و بے چینی کی حالت میں دیکھی گئی ہیں۔

بہرحال یورپ کے بعض فلاسفر اپنی لگاتار محنت اور کوشش سے روحانی معلومات حاصل کرنے میں سرگرم ہیں اور یہ خوشی کا مقام ہے کہ اس وقت تک جو کچھ ان لوگوں کو ثابت ہوا ہے وہ ایشیائی قدیم مذاق اور اسلامی عقیدے کے عین مطابق ہے۔ لیکن مردوں

سے بلا تامل گفتگو کرنے میں وہ پورے طور پر قادر نہیں ہیں۔ اسلامی خیال کے مطابق یہ سب باتیں پیش پا افتادہ ہیں اس کو جدید اصول پر سمجھنے کے لئے کوشش ہو رہی ہے جس سے اس حیرت انگیز مسئلہ پر روشنی پڑنے کی توقع کی جاتی ہے۔ الہام نے پہلے ہی ان باتوں کی تصدیق کی ہے جس سے تمام مادی سائنس از سر نو اسلام کی اس حقیقت کو پایۂ ثبوت تک پہونچانے اور تسلیم کرنے کے لئے اسلام کے سامنے جھک جانے والی ہے۔ ایک مدت تک سائنس کا مختلف شکلوں میں دور دورہ رہا مثلاً سورج چاند اور ستاروں کو اپنے گرد چکر لگاتے ہوئے دیکھنا ثابت کیا زمین کا ساکن ہونا بتلایا کسی ٹھوس چیز کا چھونا اور آوازوں کو سننا یہ سب باتیں کبھی غلط اور کبھی صحیح ثابت ہوئیں کیونکہ راگ بذات خود ایک بے آواز چیز ہے البتہ ہوا کی حرکت اس کو ہم تک پہونچا دیتی ہے علاوہ بریں روشنی میں خوبصورت رنگوں کا دیکھنا لیکن حقیقت میں نہ روشنی بذات خود کوئی شے ہے اور نہ رنگ یہ تمام بے رنگ ایتھر کی حرکتوں کے نتیجے ہیں جو آنکھ کے ذریعہ سے ہم تک پہونچتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آگ میں جلنے سے ہمارے ہاتھ پیروں کو دکھ ہوتا ہے حالانکہ ہاتھ پیروں میں دکھ درد معلوم کرنے کی خاصیت ہی نہیں۔ روحی کرشموں کے سلسلے میں چھونا چکھنا سونگھنا وغیرہ تو دراصل نامکمل دروازے ہیں آنکھ اور کان کسی حد اور نوعیت تک صحیح بتلانے کی کوشش کیا کرتے ہیں لیکن بلا روشنی اور ہوا کے یہ بھی بیکار ہیں اور روشنی بذات خود کچھ بھی نہیں بلکہ ہوا کے ذرات کے مسلسل حرکتوں کا نتیجہ ہے

اور یہ معلوم شدہ راز قدرت غیر معلوم شدہ بے شمار عجائبات کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہیں۔

اسلام کے اصول کے مطابق مادہ اور زندہ حیاتی مادّے میں ایک بڑی خلیج واقع ہوئی ہے اور دونوں کو ایک کرنے والی کوئی زنجیر نہیں نہ اس امر کی تشریح کرنے والی کوئی چیز ہے کہ ایک سے دوسرا کیونکر بن جاتا ہے کیونکہ ہمارے پاس ان تبدیلیوں کے ماہیت معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ الغرض بات جہاں تھی وہیں رہ جاتی ہے سائنس علمی ترکیب سے مادّے کا قالب تو بنا دیتی ہے لیکن اوس زندگی کے قائم رکھنے والی چیز کو نہ سائنس پیدا کر سکتی ہے اور نہ اُسکی تمثیلاً کوئی تشریح ممکن ہے۔

پھر یہ جو کچھ یورپ کی تحقیقات جدید کے بارے میں بیان ہوا محض الفاظ کی ترتیب یا قوت خیال کے عجائبات ہیں لیکن جب خیال چلتے چلتے تھک کر رُک جاتا ہے تو اسلام کی روشنی جلوہ گر ہو کر راہ ہدایت بتلاتی ہے کیونکہ وہ خیالی نہیں ہوتیں بلکہ روحانی ہوتی ہیں مثلاً قرآن پاک میں فرعون کے جادوگروں اور حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ کا ذکر ہے کہ اون کی لاٹھیاں اور رسیاں ایسی معلوم ہوتی تھیں کہ گویا سانپ بنکر دوڑ رہی ہیں لیکن عصائے موسیٰ نے بڑا اژدہا بنکر اون سب کو نگل لیا پس معلوم ہوا کہ نہ وہ لاٹھیاں دراصل سانپ تھیں اور نہ عصائے موسیٰ اژدہا تھا بلکہ قوت خیالی اور قوت روحانی کی ایک لڑائی تھی جس میں حضرت موسیٰ کی روحانی قوت غالب آگئی۔ اس کے علاوہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساریۃ الجبل والا واقع

جبکہ ۲۱ھ میں مسلمان نہاوند ایران کی فیصلہ کن جنگ میں مصروف تھے اور حضرت عمر فاروق رضؓ جمعہ کے روز خطبہ فرما رہے تھے ایک بار باآواز بلند فرمانے لگے "یا ساریۃ الجبل" یعنی اے سپہ سالار ساریہ پہاڑ کی آڑ پکڑو اور چند بار اسی جملے کو فرمایا حاضرین متعجب تھے کہ بے محل و موقع جملہ کیا لیکن جب قاصد فتح نہاوند کی خبر لیکر ایک ماہ کے بعد آیا تو اوس نے بیان کیا کہ فلاں تاریخ اور وقت میں جبکہ ہم لوگ لڑائی میں مصروف تھے اور فریق مخالف نے مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا اوس وقت تین مرتبہ یا ساریۃ الجبل کی آواز سنائی دی جو حضرت عمر فاروق رضؓ کی سی معلوم ہوتی تھی چنانچہ اوس وقت ایسا ہی کیا گیا اور خدا نے فتح دی سب کو تعجب تھا کہ حضرت عمر فاروق رضؓ یہاں کہاں۔ جب آپ سے ذکر کیا گیا تو فرمایا کہ مجھے اس وقت کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے بھائی مسلمان شکست کھانے لگے ہیں تب میری زبان سے بیساختہ یہ الفاظ نکل گئے تھے۔ یہ واقعات کچھ ایسے نہیں جن کے باور کرنے میں تامل ہو کیونکہ روحانیت کوئی ایجاد بندہ یا غیر قابل یقین افسانہ نہیں ہے دیکھ نہ لیجئے کہ خود انسان کی جسمانی حالتیں اور کیفیتیں جب کسی بہترین اصولی قاعدے کی زیر نگرانی متواتر اپنا کام جاری رکھیں تو اخلاق کے خوش نما سانچے میں ڈھل جاتی ہیں اور یہی اخلاق جب قانون قدرت کے ماتحت اور بھی اعلیٰ اور ارفع ہو جاتے ہیں تو اخلاقی رنگ و روپ میں ایک قسم کی جلا پیدا ہو کر گویا جان پڑ جاتی ہے اور اسی کا نام روحانیت ہے۔

وہ ایتھر کے ذرات جن کو سائنس نے منتشر کر کے تمام عالم میں

پھیلا دیا ہے اپنے مقصد اعلیٰ کی طرف مختلف شکلوں میں جلوہ گر ہوکر سفر کر رہے ہیں اور مختلف روحی مدارج طے کر چکنے کے بعد زندگی جاوید حاصل کر لیتے ہیں۔ عام فہم صورت یہ ہے کہ ذرے سے اناج کا دانہ اور دانے سے درخت بنجاتا ہے وہی ذرہ پس کر آٹا کہلاتا ہے پھر روٹی اور خون بنتا ہے پھر نطفہ اور نطفے سے انسان کی شکل میں آجاتا ہے یہ وہی ناچیز ذرہ ہے جو ان مختلف قالبوں میں یگانگت اور وحدت کا رنگ لئے ہوئے ہے۔ وہی ذرہ ہے جو قانون قدرت کی حیثیت میں جلوہ گر نظر آتا ہے اور اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے معین راستوں پر چل رہا ہے پس یہ کیونکر ممکن ہے کہ انسان انسانیت اور اخلاق کے درجہ پر پہونچکر روحانی ترقی کی راہوں پر قدم مارنا چھوڑ دے۔

جان بے جمال جاناں میل جہاں ندارد

ہر کس کہ ایں نہ دارد حقا کہ آں ندارد

یعنی دنیا میں اگر دیدار جاناں میسر نہ ہو تو جان کی یہ ہرگز تمنا نہ ہوگی کہ میں پھر اسی دنیا میں رہوں کیونکہ قدرتی طور پر اوس کی خواہش تو ہمیشہ اپنی فلاح بہبودی اور بہتری کے واسطے ہوا کرتی ہے اگر انسان نے آنکھ کھولکر جلوۂ جاناں کی تمنا نہ کی تو اوس سے اوس کا اندھا پیدا ہونا بہتر تھا۔ انسان کی پیدائش نفس ناطقہ کے واسطے ہے اس لئے جان لطیف نے جو عالم کثیف سے دوستی اور میل پیدا کیا ہے وہ محض حصول کمال کی غرض سے ہے۔

مصیبت جھیلکر تاثیر الفت کی اٹھاتے ہیں

حنا کیطرح ہم پس لیتے ہیں تب رنگ لاتے ہیں

اب حقیقت کو دیکھتے ہوئے ہمیں سب سے زیادہ فائدہ کی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان کا اپنے خالق خدائے واحد کے ساتھ جو تعلق ہے وہ محض اس جسم خاکی کے ساتھ ہی ختم نہیں ہو جاتا ہے بلکہ روح کے واسطے ایک ابدی زمانہ بھی ہے تاکہ اوس کو اپنے کرم اور لطف سے بہرہ اندوز کرے۔

نوٹ۔ یہ گنہگار شاعر نہیں ہے فارسی تو درکنار کبھی اُردو کا بھی کوئی شعر نہیں کہا لیکن ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۱۹ء کی شب کو خواب میں جو واقع پیش آیا وہ عرض کیا جاتا ہے یہ ثبوت اس بات کا ہے کہ ہمارے شب و روز کے مشاہدہ میں بعض ایسے معاملات پیش آتے ہیں جو کسی طرح سمجھ میں نہیں آسکتے۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب مجھ سے شعر کی فرمائش کرتے ہیں اور میں فی الفور ایک فارسی کا شعر گڑھ کر اون کو سنا دیتا ہوں وہ مسکراتے ہیں اور میری آنکھ کھل جاتی ہے شعر

نقطۂ راہ ہدایت ہمہ قرآن تو بود

این تمامے الف ہست کہ ایمانِ ما ست

ایک ماں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ فلاں درخت کا بیج لاکر اُسے توڑ اور دیکھ کہ اس میں کیا ہے لڑکے نے ایسا ہی کیا اور کہا کہ اس کے اندر ایک چھوٹا سا مغز ہے تب ماں نے کہا کہ اس کو بھی توڑ اور دیکھ کہ اس کے اندر کیا ہے اوس نے دیکھ کر جواب دیا کہ اس کے اندر تو کچھ بھی نہیں ہے اوس کی ماں ہنسی اور کہنے لگی کہ جس کے اندر تجھے کچھ نظر نہیں آتا اوس کے اندر تو ہزاروں من کا درخت موجود ہے روحانیت در اصل اون کیفیتوں کا نام ہے جنکو انسان محسوس

تو کرتا ہے لیکن بیان نہیں کر سکتا مثلاً کسی شخص سے راحت غم و الم۔ سرور۔ نغمہ۔ خواب۔ عالم بیہوشی۔ لذت۔ درد۔ صدمہ۔ مزہ۔ بدمزہ ان سب کا لفظوں میں حال دریافت کرنا چاہے تو بتلانے والے کو ادائے مطلب میں بہت کچھ دشواریاں پیش آویں گی تاہم وہ کیفیت یا درد جو محسوس ہوتا ہے الفاظ سے کسی طرح ادا نہیں ہو سکتا روح کے بارہ میں اسلامی نقطۂ نظر سے پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ یعنی اگر کوئی تجھ سے یہ سوال کرے کہ روح کس کو کہتے ہیں تو کہہ دے کہ یہ ایک حکم خدا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

تن ز جان و جاں ز تن مستور نیست ۔۔۔ لیک کس را دید جان دستور نیست

تن ز جان جنبد نمی بینی تو جان ۔۔۔ لیک ز جنبیدن تن جان بدان

من عرف اللہ کل لسانہ کے یہی معنی ہیں کہ جس کو اس بارے میں جتنا پتہ چل گیا بس اسی حد تک وہ گونگا ہو جاتا ہے گویا وہ حالت ہی ناقابل بیان ہوا کرتی ہے۔ بعض اصحاب خیال کرتے ہیں کہ تصوف بطور راز اور علم سینہ کیوں رکھا جاتا ہے اور عام فہم الفاظ میں اس کی اشاعت کیوں نہیں کی جاتی ہیں کہتا ہوں کہ معرفت کی حقیقت جو روز روشن کی طرح آشکارا ہے کیونکر چھپائی جا سکتی ہے مگر ہاں اہل دل سے ابقول حافظ علیہ الرحمۃ نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا۔

یہ تو در اصل کیفیتیں ہیں جن سے قلب لذت حسی کیا کرتا ہے اور جو ان کیفیتوں کے اصطلاحی نام ہیں وہ اسی طرح پر ہیں جس طرح مزہ بدمزہ وغیرہ۔

پیر میخانہ چہ خوش گفت بدُردی کش خویش
کہ مگو حال دل سوختہ با خامے چند

حضرات یہ تو کرنے کی بدیا ہے جو کریگا سو پاویگا۔
وَالَّذِینَ جَاهَدُوا فِینَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ اور جنہوں نے محنت اور مشقت کی ہمارے واسطے تو سمجھائیں گے اور اون کو اپنی راہیں۔

این مدعیان طلبش بیخبر انند
کانرا کہ خبر شد خبرش باز نہ آمد

جس نے ریاضت نہیں کی محنت اور مشقت نہیں کی دل میں شوق اور ولولہ نہیں ٹٹول نہیں اس مزے کی چاٹ نہیں اسے روح کی حقیقت کیونکر سمجھائی جا سکتی ہے یہ معاملات تل کی اوٹ پہاڑ ہیں اور وہی بیج والا درخت ہے جو آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔

حافظا علم و ادب ورز کہ در مجلس شاہ
ہر کہ را نیست ادب لائق صحبت نہ بود

ایک مشہور روایت ہے کہ کسی نے ایک مادرزاد اندھے کی دعوت کی اندھے نے پوچھا کس قسم کا کھانا ہے اوس نے جواب دیا کہ کھیر ہے اندھا بہت خوش ہوا کہ یہ کوئی بڑی نعمت ہے کیونکہ اوس نے اس سے پہلے کبھی کھیر کا نام ہی نہیں سُنا تھا پوچھا کہ کھیر کیسی ہوتی ہے جواب دیا کہ سفید اوس نے پوچھا کہ سفید کس کو کہتے ہیں بتلایا گیا کہ جیسے سفید بگلا اندھے نے بگلا بھی کبھی نہیں دیکھا تھا پوچھا کہ بگلا کیسا ہوتا ہے تب میزبان نے اپنا ہاتھ ٹیڑھا کیا اور بگلے کی سی چونچ بناکر اوسے دکھلایا اندھے نے اوس کے ہاتھ کو حیرت اور استعجاب

سے خوب سا ٹٹول کر دیکھا اور پریشان ہو کر کہنے لگا کہ بابا یہ تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے میرے حلق سے کسی طرح نیچے نہ اترے گی۔ حاصل کلام یہ معاملات ٹیڑھے ضرور ہیں لیکن نہ ایسے کہ جیسے اوس اندھے کی سمجھ میں ٹیڑھی کھیر تھی۔

تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز
خوشا کسے کہ دریں راہ بے حجاب بود

روحانی کامیابی کی رفتار اگر سست ہو جاوے تو ہمت نہ ہارنی چاہیئے کیونکہ عظیم الشان سمندر کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ پانی کی ننھی ننھی بوندیں ہوا کرتی ہیں کسی عالم یا درویش سے کوئی اچھی بات سیکھنے کا خیال ایک اچھا خیال ہے لیکن سوچنا تو یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے اسوقت تک سیکھا ہے اوس پر کیا عمل کیا۔ بعض اسی خیال میں اپنی عمر گذار دیتے ہیں کہ کوئی فقیر کامل مل جاوے تو حاصل کریں لیکن ایسا خیال اپنے آپ کو صریحی دھوکے میں ڈالنا ہے۔ کیونکہ نماز پنجگانہ اور احکام شرعی کی پابندی اگر پورے طور پر کی جاوے تو یہی بڑا کمال ہے اصلیت یہ ہے کہ اس بارہ میں ہم کوئی تکلیف گوارہ کرنا ہی نہیں چاہتے ہیں اور حالت بالکل اوس نوکر کی ہے جو بیجا تاویلوں سے اپنے فرائض سے بچنا چاہتا تھا اس کا قصہ اس طرح پرمشہور ہے کہ ایک نوکر اپنے آقا کی بیماری میں تیماردار ہوا۔ آقا نے اوس سے ڈاکٹر کو بلانے کے واسطے کہا نوکر نے جواب دیا کہ ڈاکٹر شاید اسوقت اپنے گھر نہ ملے اور میرا جانا ہی بیکار ہو آقا نے اس کو یقین دلایا کہ وہ ضرور اپنے گھر پر ہوں گے۔ تب نوکر بولا کہ بالفرض اگر وہ گھر پر

بھی ہوئے اور انہوں نے آنے سے انکار کر دیا۔ آقا نے کہا کہ اونکو فیس دی جاوے گی اور وہ ضرور آویں گے نوکر بولا کہ شاید او نکے پاس دوا نہ ہو آقا نے ناخوش ہو کر کہا کہ پہلے آدمی تو جا تو سہی اگر دوا اُن کے پاس نہ ہوگی تو بازار سے آجاوے گی اس بیکار بحث سے کیا فائدہ نوکر بولا کہ حضور خفا نہ ہوں اصلیت یہ ہے کہ موت ایک روز ضرور آوے گی نہ ڈاکٹر روک سکتا ہے اور نہ حکیم اگر آپ کی قسمت میں مرنا ہی ہے تو ڈاکٹر کو بلا کر علاج سے کیا فائدہ آپ خفا نہ ہوں غصہ کرنے سے بیماری بڑھ جانے کا خیال ہے میں تو ایک عقل کی بات آپ کو بتلاتا ہوں خواہ آپ اس کو مانیں یا نہ مانیں۔

درد مندے کہ کند درد نہاں پیش طبیب

درد او بے سببے لایق درماں نشوی

اللہ اللہ دیکھتے دیکھتے زمانہ بدل گیا طبیعتیں بدل گئیں جو خیالات روحانی کل تھے وہ آج نہیں اور جو ہیں وہ بھی تیزی سے بدل رہے ہیں اپنے زمانہ شعور سے اسوقت تک کی اگر کوئی سچی اور صحیح سوانحمری تیار کر کے ملاحظہ کرے کہ جس میں بلا کم و کاست ہر بُری اور بھلی باتیں درج ہوں تو اگر خدا نہ خواستہ اس میں کوئی ایک بھی مکروہ بات درج ہے تو اوس گندی پوٹ کو انسان کہاں کہاں چھپاتا ہوا پھرے گا اور اس بات کو بھی گوارہ نہ کرے گا کہ زندگی تو زندگی بعد از مرگ بھی اُس ناپاک ریکارڈ کو کوئی دیکھ سکے۔ پس ایسی ناپاک زندگی سے کیا حاصل جئے تو کیا اور مرے تو کیا۔

دیدہ بدبین بپوشاں ای کریم عیب پوش | این لیری ہا کہ من در کنج خلوت میکنم
حاشاللہ کز حساب روز حشرم باک نیست | فال فردا میزنم امروز عشرت ے کنم
حافظم در محفلے دردے کشم در مجلسے | بنگراین شوخی کہ چون باخلق صحبت میکنم

اے انسان اگر تو اس حیات ناپائدار کو حیات ابدی بنانا چاہتا ہے تو روحانیت میں تبدیل ہو جا اور چشمۂ آب بقا کا پانی پی آب حیات میں کیا رکھا ہے دیکھ سکندر کو حیات ابدی کی تلاش ہوئی خواجہ خضر عؑ نے ظلمات کی سیر کرائی سکندر کو اپنی اس کامیابی پر بڑی مسرت ہوئی لیکن سکندر نے دیکھا کہ وہاں پر چشمۂ آبِ حیات کا پانی پی کر بہت لوگ زندہ ہیں لیکن بشکل مردہ بے حس و حرکت پڑے ہوئے ہیں مرنا چاہتے ہیں لیکن موت نہیں آتی ہے سکندر یہ حالت دیکھکر پریشان ہوا اور پانی نہ پیا کیونکہ یہ حیات ابدی حاصل کرنے کا ذریعہ اصلی نہ تھا۔ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا یعنی شراب طہور حاصل کرنے کے لئے نفس کو زیر کرو۔ الغرض اپنی سوانحعمری کے اندر کس میں آپ یہ تلاش کیجئے علم روحانیت اور معرفت الہی کے حاصل کرنے میں آپ نے کس قدر جد وجہد کی۔ عبادت الہی کے سلسلے میں آپ نے کتنی پیاری راتوں کو قربان کیا نفس کو زیر کرنے کے لئے آپ نے کتنے مجاہدے کئے۔

چند گوئی لے مذکر شرح دین خاموش باش
دین ما در ہر دو عالم صحبت جانانِ ماست

اللہ رب العالمین نے اکثر ہمارے جسم میں ڈبل یعنی دو حصے یکساں بنائے ہیں جو کہ بے معنی یا فضول نہیں کہے جا سکتے۔ مثلاً دو ہاتھ۔

دو پیر دو آنکھیں دو کان اور ناک کے دو سوراخ وغیرہ بیس ہیں ان سے دو مختلف کام بھی لینے چاہئیں یعنی ایک سے روح یعنی دینی اور دوسرے سے نفس یعنی دنیاوی تاکہ ہم دونوں فرائض یعنی دین اور دنیا سے اپنا واسطہ یکساں قائم رکھ سکیں میری مراد مرنے سے خودکشی نہیں ہے کیونکہ وہ ایک نہایت ہی گھناونی قسم کی موت اور ایک بزدل کا فعل ہے جو کہ صرف بدعقل یا مخبوط الحواس ہی کر سکتے ہیں میری مراد یہ ہے کہ اعتدال سے تجاوز نہ کیا جاوے۔ روزہ کیا ہے محض جسمانی اعضا کو اعتدال میں قائم رکھنے کے واسطے ہے تاکہ جس عضو کا قصور دیکھا جاوے اوس کو روزہ رکھ کر زیر کیا جاوے اور سزا دی جاوے۔ مثلاً ایک بزرگ نے کسی غیر محرم عورت کو جو حسین تھی دیکھا اور خواہشات بیجا کا غلبہ پایا آپ نے اوس کا تدارک کیا کہ ایک سال تک عورت کی صورت نہ دیکھی غرضکہ روزہ محض بھوک اور پیاس ضبط کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ ہر ایک عضو کی خواہشات بیجا کو اعتدال پر لانے کا مقصد ہے۔ گیارہ مہینے کی بدعادتوں کی جانچ ایک مہینے میں ہو جاتی ہے کہ آیا کوئی بدعادت طبیعت ثانیہ تو نہیں بن گئی۔

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون وما تنفقوا من شیء فان اللہ بہ علیم۔ سورۃ آل عمران آیت ۹۱۔ ترجمہ جب تک (خدا کی راہ میں وہ چیزیں) خرچ نہ کرو گے جو تم کو (سب سے) عزیز ہیں نیکی (کے اعلیٰ درجہ) کو ہرگز نہ پا سکو گے۔ اور کوئی سی چیز بھی خرچ کرو اللہ اس کو جانتا ہے۔

ایضاً ام سلیم حضرت ابو طلحہؓ کی بیوی نے کہا کہ ایک مرتبہ میرا شوہر کہیں گیا تھا قضا الٰہی سے میرا بیٹا مر گیا میں نے اوس پر ایک کپڑا اوڑھا دیا جب شوہر آیا تو مجھ سے پوچھا کہ بیمار لڑکا کیسے ہے میں نے کہا کہ اور راتوں کی نسبت آج کی رات بہت اچھا ہے پھر میں کھانا لائی میرے خاوند نے اطمینان سے کھانا کھایا اور ہم سب سو گئے صبح کو میں بولی کہ میں نے فلاں پڑوسی کو ایک چیز عاریتاً دی تھی اب اُس سے مانگتی ہوں تو وہ پڑوسی نالہ و فریاد کرتا ہے اور دینے سے انکاری ہے شوہر یہ سن کر بولا کہ وہ بڑا احمق ہے عاریتاً دی ہوئی چیز کے دینے میں اوس کو کیا تامل ہے تب میں نے اوس سے کہا کہ تیرا اچھوٹا بیٹا جس سے تجھ کو کمال الفت تھی اور جو اللہ تعالیٰ کا ایک ہدیہ تھا اب حق تعالیٰ نے وہ عاریت پھیر لی شوہر نے سنکر کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یعنی سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے آیا ہے اور پھر وہیں واپس جاوے گا صبح کو جاکر رسول اللہ سے یہ سب رات کا ماجرا بیان کیا آپ نے فرمایا کہ وہ رات خدا تم دونوں کو مبارک کرے کیا اچھی رات تھی یہ سب اللہ کی آزمائشیں ہیں۔

موت کو آپ نے کتنی مرتبہ یاد کر کے اس مجرب اور پر درد نفس کو زیر کیا۔ بھوک کا اصلی مزہ چکھنے کے لئے آپ نے کتنی مرتبہ روزے رکھے۔ روحانیت کی کتنی کتابیں آپ نے دلچسپی اور شوق سے مطالعہ لیں؟ یہ مانا کہ آپ نے دیگر علوم و فنون سیکھے اور اُن کے ماہر بن گئے اون کے واسطے آپ نے محنت شاقہ برداشت کی پس جو سیکھا وہ پایا۔

کیا اس کے بعد بھی یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ روحانیت ہم سے کیوں دور ہے یا کوئی ایسی عجیب چیز ہے جو حاصل ہی نہیں ہو سکتی ہے۔ اصلیت یہ ہے کہ ہم اس کو غیر ضروری چیز خیال کئے ہوئے ہیں۔ البتہ علم مجلسی کی غرض سے کچھہ معلوم کر لیا ہے ورنہ اس سے زیادہ اوس کی وقعت نہیں ہے (نعوذ باللہ) حالت ہماری یہ ہے کہ روزمرہ صبح کے اول وقتوں میں جبکہ عیش وعشرت کے دلدادہ دنیا کی نمائشی دل آویزیوں اور دلفریبیوں کے متوالے اور نفسانیت کے شیدائی اپنی شب بھر کی راحتوں اور دل بستگیوں سے تھک کر خواب غفلت کے مزے لے رہے ہوتے ہیں تو اوس عالم نورانی اور سہانے وقت میں فضائے آسمانی میں ایک آواز گونجتی اور خاموشی اور سناٹے کے پردوں کو پھاڑتی ہوئی ہمارے کانوں تک پہونچتی ہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ سب سے بڑا ہے دو دو مرتبہ پڑھنا چاہیے اشہد ان لا الہ اللہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں اشہد ان محمدا الرسول اللہ محمد اس کا رسول ہے حیّ علی الصلوٰۃ آو طرف نماز کے حیّ علی الفلاح اسی میں تمہاری بھلائی اور بہودی ہے۔ الصلوٰۃ خیراً من النوم۔ نماز خواب سے زیادہ بہتر ہے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ اللہ خدا سب سے بڑا اور صرف وہی عبادت کے قابل ہے اور سوائے اوس کے کوئی دوسرا معبود نہیں ہے روح یہ آواز سن کر سونے والے سے کہتی ہے کہ تیرے سونے کے واسطے تو عمر پڑی ہے مگر اسے نیند کے متوالے جب وقت گذر جاتا ہے تو پھر ہاتھ نہیں آتا لیکن نفس اوس کو تھپک کر سلاتا ہے کبھی کچی نیند میں اُٹھنے سے

ناسازی طبیعت کا خوف دلاتا ہے کبھی کہتا ہے کہ موزن تو روز یوں ہی کہا کرتا ہے بس اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہوجاتا ہے اور انسان اس بیداری کے مقابلہ میں اوس عارضی موت کو پسند کرلیتا ہے کبھی ادہر کروٹ لی کبھی ادہر کروٹ لی اور پھر غرق خواب مدہوشی ہوکر خراٹے لینے لگ جاتا ہے۔ صبح کی نماز کا وقت ہی کیا ہوتا ہے پلک جھپکتے ہی نکل جاتا ہے۔

برخلاف اس کے ایک روحانیت کا دلدادہ اور حقیقی راحت و کامیابی کا متلاشی اس آواز کا بیتابی سے انتظار کرتا ہے اور اس کو کسی کروٹ کسی پہلو نیند نہیں آتی۔

شب بہ بزم عشق چوں پروانہ باش
صبح چوں مرغ سحر دیوانہ باش

کبھی تو شب بیداری کے مزے لوٹتا ہے اور کبھی فجر کو سر بسجود ہوکر اوس کی حمد و ثنا میں ہمہ تن غرق ہوجاتا ہے اوس کے بعد کھاپی کر دنیادی کاموں میں مصروف ہوتا ہے اور ان تمام فرائض کو پوری طور پر انجام دیتا ہے جو لوازم زندگی کے لئے ضروری ہیں۔

تو و طوبا و ما و قامت یار
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

پھر دوپہر کے کھانے کا وقت آتا ہے اور قبل اس کے کہ وہ دسترخوان پر بیٹھے مسجد کی طرف دوڑتا ہے اسی طرح سہ پہر کی چار سے قبل نماز عصر ادا کرتا ہے اور مغرب کی نماز کے بعد تمام دن کی دینی و دنیادی کامیابیوں اور بیش بہا نعمتوں کا جو اللہ نے اس کو

عطا کی تھیں تہ دل سے سجدۂ شکر بجا لاتا ہے غرضکہ ہر حالت میں وہ حقوق اللہ کی نگہداشت کو مقدم اور ضروری خیال کرتا ہے اب رات کی آمد شروع ہوتی ہے جس میں ہمارا نفس اور نفسانی بے جا خواہشات ہمارے دلکو کس کس طرح پر گدگداتی ہیں اور ہم ہیں کہ بیتابانہ کبھی خوش نما وقتوں کی آمد کا بار بار گھڑی دیکھ کر انتظار کرتے ہیں کبھی جلسوں اور دعوتوں کی شرکت کے لئے مختلف لباس زیب تن کرنے میں آرزوئیں اور تمنائیں پوری ہونے کے خیال سے اپنے لباس کو عطر میں بساتے ہیں یا زیادہ وقت اسباب خود بینی (آئینے) کی نظر ہو جاتا ہے جس میں اپنی صورت بناؤ سنگھار اور ادائیں ملاحظہ ہوتی ہیں۔ یہ معلوم ہی نہیں کہ

ایمن مشو ز عشوۂ دنیا کہ ایں عجوز
مکارہ می نشیند و محتالہ میرود

برخلاف اس کے ایک روز آخرت کے خائف بندہ کو آپ بستر پر جانے سے قبل دیکھیں گے کہ وہ ادب سے ہاتھ باندھ کر عاجزانہ صورت بناتا ہے کبھی وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر مغرور سر کو نیچے جھکاتا ہے کبھی اوس کو زمین پر رگڑ کر اوس کی اصلی حقیقت اس پر ظاہر کرتا ہے اور واقعی دنیوی عزت اور عظمت کا جو واحد نشان (سر) ہے اوس کو اقرار عبودیت کے لئے کمال فرمانبرداری کے ساتھ اسکے آستانہ ربوبیت پر رکھ دیتا ہے۔

وقتیکہ بچشم آمد آن شاہد ہرجائی
جز عالم و مافیہا دیگر نہ نشاں دیدم

اگر ہم واقعی مسلم ہیں تو ادائیگی نماز کے وقت ہم پر خاص کیفیت طاری ہونی چاہیئے ہم سر جھکاتے ہیں تو گویا وہ محض خدائے واحد کی طاعت اور اطاعت کا ایک نشان ہوتا ہے اور جب سجدہ میں جبین نیاز رگڑتے ہیں تو گویا ہم منزل فنا طے کرتے ہیں کیا ایسی حالت میں جبکہ ایسے جلیل القدر دونوں جہان کے بادشاہ کے حضور میں اس عاجزانہ اور نیازمندانہ شکل و صورت میں حاضر ہوں عزیز اقارب دوست آشنا کا خیال کر سکتے ہیں اپنا حسب نسب اپنی شان و شوکت کا خیال اوس وقت قابل وقعت ہو سکتا ہے ؟

نہیں بلکہ وہ شخص ان تمام دنیاوی تعلقات سے اوس وقت مطلق بیگانہ اور تنہا ہوگا جیسے کہ نزع کے وقت انسان کی روح لیکن جنھوں نے یہ مزہ لوٹا ہو وہ واقف ہوں گے کہ ایسا شخص اُسوقت تنہائی محسوس کر ہی نہیں سکتا کیونکہ اس میں مالک حقیقی کے بندے بننے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے گو عارضی دل آویزیوں کی اوس وقت وہ قربانیاں کرتا ہے لیکن اوس کا رشتۂ حیات ادھر سے منقطع نہیں ہونے پاتا اور اُدھر سے مضبوط ہوتا جاتا ہے۔

شب کہ با یادرخش سر بگریباں کردم
غنچہ گشتیم و تماشائے گلستاں کردم

ایک مسلم کے لئے عشق مجازی اور تمام معبودان باطلہ ہیچ ہیں۔ خدا کو عاجزی بہت پسند ہے ذرہ مانگنے کی طرح پر مانگ کر تو دیکھئے کہ وہ کس طرح پر منہ مانگی مراد دیتا ہے۔

برد رے خالق تو کسے رفتی کہ محرم آمدی

گر گدا عاجز شود تقصیر صاحب خانہ چیست

اے انسان خودی کے بھوت تو اوس کے دروازے پر مانگنے کے لئے گیا ہی کب تھا جو محرومئ قسمت کی شکایت کرتا ہے اگر فقیر کو عادت سوال کی نہ ہو تو اس میں نہ دینے والے کا کیا گلہ ہے۔ نبی کریم کے حالات زندگی میں یہ واقعہ نہایت لطیف اور معنی خیز ہے کہ ایک مرتبہ ایک امیر کبیر شخص آپ کی خدمت میں دعا کرانے کی غرض سے حاضر ہوا لیکن بجائے اس کے کہ آپ دعا کریں آپ نے فرمایا کہ جو چیز تم خود خدا سے نہیں مانگ سکتے ہو اوس کو میں بھی نہیں دلا سکتا۔ جاؤ خدا سے خود ہی مانگو۔ ملتجی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے تو یہ معلوم ہی نہیں کہ خدا سے کیونکر مانگا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ طہارت کے بعد اللہ کی حضور میں کھڑے ہو کر اور عاجزانہ صورت بنا کر اس طرح پر دعا مانگو کہ اے اللہ تو دلوں کے حال سے خوب واقف ہے اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ تیرا یہ عاجز گنہگار بندہ منتظر کرم ہے۔

گفت پیغمبر کہ چوں کوبے درے\
آخرش زاں در بروں آید سرے

یعنی تم کسی کا دروازہ تو کھٹکھٹا کر دیکھو کہ اس میں سے کوئی نکلکر تم سے یہ پوچھتا ہے یا نہیں کہ بتلا تجھے کس کی تلاش ہے اور کیا چاہتا ہے۔

چوں نشینی بر سر کوئے کسے\
آخرش بینی تو از روئے کسے

اگر کسی کارآمد شخص کی آپ کو تلاش ہے تو کسی جگہ بیٹھ کر تو دیکھو کہ بالآخر وہ تمہیں ملتا ہے یا نہیں اگر نہ ملے تب ہی کہنا۔
ایک بزرگ ایک قوم کی طرف ہو کر گذرے وہ لوگ تیر اندازی میں مصروف تھے اور ایک شخص اون سے بہت دور بیٹھا ہوا تھا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے چاہا کہ اوس کے قریب جا کر اوس سے کچھ بات چیت کروں وہ کہنے لگا کہ بات سے ذکر خدا بہتر ہے میں نے سوال کیا کہ اے شخص تو اکیلا کیوں بیٹھا ہوا ہے کہنے لگا کہ اکیلا نہیں ہوں حق تعالیٰ اور دو فرشتے ہر وقت میرے ساتھ ہیں۔ میں نے پوچھا کہ تیر اندازی میں اس قوم پر کون سبقت لیگیا بولا وہ شخص جسے خدا نے اپنے رحم و کرم سے بخش دیا۔ میں نے پوچھا کہ بخشایش کی راہ کدھر ہے پس آسمان کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا اور کھڑا ہو کر یہ کہتا ہوا چلدیا کہ خدایا تیری بہت سی مخلوق تجھ سے باز رکھنے والی ہے۔

غزل

فکر بیہودہ خود ایدل زدرِ دیگر کن　　　درد عاشق نشود بہ زمداوائے حکیم

اے دل اپنی بہتری کی فکر دوسرے دروازہ سے کر کیونکہ عاشق کا درد حکیم کے علاج سے رفع نہیں ہوا کرتا ہے۔

گوہر معرفت اندوز کہ باخود ببری　　　کہ نصیب دگرانست نصاب زر و سیم

معرفت کے گوہر جمع کر کہ تیرے ساتھ جاسکیں چاندی اور سونے کا سرمایہ تو دوسروں کا حصہ ہے۔

دام سخت ست مگر یار شود لطف خدا　　　ورنہ آدم نبرد صرفہ ز شیطان رجیم

اگر خدا مدد نہ کرے تو دنیا کا جال بہت مضبوط ہے اور آدمی شیطان

مردود سے غلبہ نہیں پا سکتا۔

چاک خواہم زدن این دلق ریائی چہ کنم
روح را صحبت ناجنس عذابست الم

میں مجبوراً اس جسمانی مکر و ریا کی گدڑی کو چاک کر دوں گا کیونکہ روح کے لئے غیر جنس کی صحبت سخت تکلیف دہ ہے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے ایک بزرگ کو خبر دی کہ شہر صور میں ایک پیر اور ایک جوان ہمیشہ مراقبے میں رہا کرتے ہیں وہاں جاکر دیکھا کہ دو شخص قبلے کی طرف منہ کئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے تین مرتبہ سلام کیا لیکن جواب نہ ملا میں نے کہا کہ بندہ خدا تمہیں خدا کی قسم ہے کہ سلام کا جواب تو دو۔ جوان نے سر اٹھا کر کہا کہ اے ابن حنیف دنیا تھوڑی سی ہے اور اس تھوڑی میں سے بہت ہی تھوڑی باقی رہ گئی ہے اگر ہو سکے تو اس تھوڑی سے بہت سا حصہ لے تو بڑا غافل معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک سلام علیک میں ہی لگا ہوا ہے اور آخرت کی کچھ خبر نہیں یہ کہہ کر پھر گردن جھکالی وہ کہتے ہیں کہ میں بھوکا پیاسا تھا یہ جملے سن کر سب بھول گیا اور از خود رفتگی کے عالم میں سرنگوں اتنے عرصہ تک رہا کہ ظہر و عصر کی نماز کا وقت آگیا نماز ان کے ساتھ ادا کی اور موقع پاکر پھر عرض کیا کہ کچھ نصیحت فرمایئے وہ بولے کہ اے ابن حنیف ہم مصیبت زدہ زبان حال ہی نہیں رکھتے جو تجھے نصیحت کریں پھر تین دن میں وہیں رہا نہ انھوں نے کچھ کھایا نہ میں نے رخصت ہوتے وقت پھر کچھ عرض کرنا چاہا اس جوان نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور یہ کہہ کر گردن جھکالی کہ تو کسی ایسے شخص کو تلاش کر جس کی صحبت میں تجھے خدا یاد آوے اس کی نصیحت

زبانِ حال کی ہو نہ زبانِ قال کی۔ اے شخص یاد رکھ کہ دنیا میں چاہے
جس چیز سے محبت کر لیکن تو اوس سے عنقریب جدا ہونیوالا ہے۔
تو جب تک چاہے زندہ رہ لیکن عنقریب مرنے والا ہے اور کام
جو چاہے کر لیکن اوسکا بدلا پانے والا ہے۔
اس گنہگار نے سب کچھ لکھا لیکن اسلامی نقطۂ خیال سے ابھی اس
باب روحانیت کی اور تشریح باقی ہے۔ یہ روح اس جسم خاکی کی رہنما ہے
اور اس کا تعلق خاص ذات پاک سے ہے گویا روح مثل آفتاب
کے ہے اور نفس مثل ابر کے ہے یہ ہمارا دن رات کا مشاہدہ ہے کہ جب
ابر آفتاب پر سے ہٹ جاتا ہے تو دھوپ تیز ہو جاتی ہے اور جب ابر
کے پرت اوس کے درمیان میں آجاتے ہیں تو دھوپ کی تیزی کم ہو جاتی
ہے لیکن آفتاب کی ذاتی صفت میں اس عارضی حجاب سے کوئی
خرابی واقع نہیں ہوتی۔ یہی حالت بجنسہ انسان کی ہے کہ جب تک
نفسانیت کا دور دورہ رہتا ہے روحی اثر کمزور پڑ جاتا ہے اور جب
اس کے برعکس ہوتا ہے تو مثل آفتاب کے وہ بھی اپنی اصلی قوت
میں جلوہ نما ہوتی ہے۔
ہوش سنبھالنے کے بعد ہی رفتہ رفتہ تجربات اور مشاہدات
ہماری ضرورتوں کے علم کو وسعت دیا کرتے ہیں یہ اوس مالک
حقیقی کا کرم و احسان ہے کہ باوجود اس قدر نفسانی بلاؤں کے جو
ہمارے گرد و پیش جمع ہیں کم از کم اس بات کا احساس تو باقی ہے
کہ ہم کیا ہیں اور کیوں ہیں جڑ مضبوط ہونی چاہیئے درخت میں پھول
پتی آہی جاتی ہے اوس کے احسانات سب پر یکساں ہیں خواہ

کسی مذہب و ملت کا کیوں نہ ہو وہ عالم کا رب ہے۔ اگر اس جسم میں جوہر لطیف نہ رہے تو سراپا بدبو ہو جاتا ہے یہ اُسی کی جھلک ہے کہ اس میں نزاکت رنگ روپ اور کمال لطافت پیدا کر دی ہے جس کی وجہ سے ہم پروانہ وار اس پر ٹوٹ کر گرتے ہیں۔ آنکھ ناک مُنہ بال رنگ و روغن قد و قامت یار کا اگر ہمارے مذاق کے عین مناسب حال ہوتا ہے تو اوس چینی کی مورت کی سڑنے گلنے والی حقیقت کو ہم قطعاً بھول جاتے ہیں یہاں تک کہ تن بدن کا ہوش بھی باقی نہیں رہتا آہ ہم دھوکا کھا جاتے ہیں کیونکہ وہ ہماری محبت کا آماجگاہ نہیں ہے بلکہ خواہشات نفسانی کی ایک فانی حد ہے۔

شاہدان نیست کہ موے و میانے دارد
بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

معشوق دراصل وہ نہیں ہے جس کے بال اور کمر کی تعریف کی جا سکے بندہ اوس کا ہونا چاہیئے جس میں آن بان ہو۔ غمزہ و ناز و ادا و ستم و جور و جفا وغیرہ کو تو عشق مجازی والے ہی خوب جانتے ہوں گے جو جھوٹے سچے عاشق بنکر چینی کی گڑیوں کو دام تذویر میں پھنسا لیتے ہیں لیکن عشق حقیقی کے واسطے تو حقیقت ہی درکار ہے خواہ کتنی بھی دشواریاں پیش کیوں نہ آئیں

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا
کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

اے ساقی خبردار ہو کا سے کا دور کر اور اوس کو دے کیوں کہ

عشق اول آسان معلوم ہوتا ہے لیکن بعد میں بے شمار تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

ولنبلونکم بشئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین۔

یعنی ضرور بضرور ہم تم کو آزمائیں گے کچھ خوف اور بھوک سے کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور خوشخبری انہیں کے لئے ہے جو مصیبتوں کو برداشت کرتے ہیں۔

راہ پرورد تنعم نہ رود راہ بدست
عاشقی شیوۂ رنداں بلاکش باشد

مگر اصلیت تو یہ ہے کہ ہم عاشق بننا ہی نہیں جانتے اور معشوق کے ایک زراسے امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں۔

آتش آن نیست کہ بر شعلۂ رو خندد شمع
آتش آنست کہ بر خرمن پروانہ زدند

مشہور ہے کہ ایک عاشق ہر روز اپنی معشوقہ کے ہاتھ سے ایک لطیف خربوزہ کھایا کرتا تھا اور معشوقہ اوس کی بڑے تکلف سے قاشیں کاٹ کر خوشنما پلیٹ میں رکھ کر اوس کے سامنے پیش کیا کرتی تھی ایک روز اتفاق سے ایک تلخ خربوزہ اوس کے سامنے رکھ دیا گیا اور عاشق بلا تکلف اوس کو کھا رہا تھا کہ حسن اتفاق سے اوس کا ایک دوست آگیا اور ایک قاش کو اٹھا کر کھانے لگا جب اوس کو کڑوی معلوم ہوئی تو اوس نے تھوک دی اور کہنے لگا کہ تم سے اتنی قاشیں کیسے کھائی گئیں میرا تو ایک ہی قاش میں منہ کڑوا ہو گیا

اوس نے جواب دیا کہ بہائی عاشق تو اس تلخی کا میں ہوں نہ کہ تم میں نے اپنی معشوقہ کے ہاتھ سے برسوں میٹھے میٹھے خربوزے کھائے ہیں اگر آج اتفاق سے ایک کڑوا نکل آیا تو اوس کو بہی مزے لے لیکر کیوں نہ کھاؤں۔ ہرچہ از دوست میرسد نیکوست۔ مجھے تو دراصل شکایت کے مقابلہ میں شکر میں مزا آتا ہے۔

چرا حافظ تو مے ترسیدی از ہجر
نہ کردی شکر ایام وصالش

مجھے اس موقع پر ایک اور روایت یاد آئی جس نے شکر و شکایت کے مسئلہ کو زیادہ صاف کر دیا ہے۔ رسول اللہ کے زمانہ میں ایک مسلمان نہایت ہی افلاس کی زندگی بسر کرتا تھا یہاں تک کہ اوس کے پاس کپڑوں میں صرف ایک چادر تہی جس کو پہن کر کبھی خاوند اور کبھی بیوی نماز ادا کر لیا کرتے تہے اتفاق سے ایک روز وہ چادر بیوی کے استعمال میں تہی اور یہ ایک لنگوٹ باندہے ہوئے تہا بیوی کو گھر واپس آنے میں دیر ہو گئی جس کی وجہ سے اوس کا خاوند مسجد میں نہ جا سکا اور دیر میں پہونچا صحابہ کرام اور خود رسول خدا صلعم نے بہی اوس سے دیر میں آنے کا سبب دریافت کیا اوس نے سب سچا سچا حال کہہ سنایا آپ سن کر خاموش ہو گئے جب وہ اپنے گھر واپس آیا تو اپنی بیوی سے یہ سب ماجرا بیان کیا یہ سنکر اوس کی بیوی نے سر پیٹ لیا اور کہنے لگی کہ اے نادان تو نے غضب کیا کہ خدا کی شکایت (نعوذ باللہ) رسول سے کی معلوم نہیں خدا کی اس میں کیا مصلحت ہے جو ہم لوگوں کو اس حالت میں رکھا ہے

کیا تو اور ہزاروں احسانوں کو بھول گیا خدا معلوم کتنے انسان ہم سے بدرجہا بدتر حالت میں ہوں گے صرف افلاس اور تنگ دستی پر تیری نظر گئی یہ کیا اوس کا کم احسان ہے کہ ہم تندرست ہیں اور ہمارے اعضائے جسمانی سب درست حالت میں ہیں وہ نیک بی بی ان احسانات کی تفصیل بیان کرتی جاتی تھی اور زار و قطار روتی جاتی تھی۔

تو بندۂ گلہ از باد شہ مکن اے دل
کہ شرط عشق نہ باشد شکایت از کم و بیش

صوفیہ کرام کے نزدیک عشق ایک راز ہے اس لئے اوس کو "راز پنہاں" کہتے ہیں۔

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

یعنی ایسا نہ ہو کہ کہیں یہ راز دوسروں پر ظاہر ہو جاوے اور میں شہادت کے درجہ سے محروم ہو جاؤں کیونکہ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ "مَنْ عَشِقَ وَکَتَمَ فَمَاتَ مَاتَ شَہِیداً۔ یعنی جو عاشق ہوا اور اُس نے عشق کو چھپایا اور اسی حالت میں مر گیا اوس کو شہادت کا درجہ حاصل ہوگا۔ میں اس موقع پر مثنوی شریف کے چند اشعار نقل کرتا ہوں جس میں انسان کی حالت ابتدائی عالم ارواح سے فراق اور جدائی کو ایک بانسری کی زبان میں کس خوبی اور عمدگی سے ظاہر فرمایا ہے اور عشق کی حقیقت کو کن مختصر الفاظ میں آشکارا کیا ہے۔

بشنو از نے چوں حکایت مے کند | وز جدائی ہا شکایت مے کند
کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند | از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
ہر کسے کو دور ماند از وصل خویش | باز جوید روزگار وصل خویش
من بہر جمعیتے نالاں شدم | جفت خوشحالاں و بدحالاں شدم
دو دہاں داریم گویا ہمچو نے | یک دہاں پنہاست در لبہائے وے
سینہ خواہم شرح شرح از فراق | تا بگویم شرح درد اشتیاق
با لب دمساز خود گر جفتمی | ہمچو نے من گفتنی ہا گفتمی
سر حق پنہاست اندر زیر و بم | فاش اگر گویم جہاں برہم زنم

جملہ معشوق ست عاشق پردہٴ
زندہ معشوق ست و عاشق مردہٴ

یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو معجزوں اور مخفی لبعید الفہم نکات میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہم انہیں آنکھوں سے خدا کی معجز نما ہستی کو اپنے چاروں طرف کیوں نہیں دیکھتے کون سے دلفریب اور دلکش چیز ایسی ہے کہ جس میں خدا کا جلوہ نظر نہ آتا ہو یہ وہی تو روشنی اور نور ہدایت ہے جس کی بدولت نرگسیں آنکھیں دیکھکر متوالے اور گلاب کی پنکھڑی جیسے گال دیکھکر والا و شیدا ہو جاتے ہیں محبوبان مجازی اسی وقت تک دل کے مالک بنے رہتے ہیں جب تک حضرت ذوالجلال کا جلوہ ہمارے دل پر نہیں پڑتا۔ اے خدا میرے دلکو محبت کی شراب سے دہو ڈال تاکہ یہ لباس ہستی فنا فی اللہ کی شکل میں تبدیل ہو جاوے۔ مجنوں کا واقعی جنون تھا جو لیلیٰ کے عشق و محبت میں کوچہ و دیار کی خاک چھانی ورنہ تل کی

ادٹ پہاڑ تھا اور اسی محسن حقیقی کے حسن کی در پردہ ایک جھلک تھی۔

ندیم و مطرب و ساقی ہمہ اوست
خیال آب و گل در رہ بہانہ

مصاحب اور مطرب اور ساقی سب وہی ذات باری ہے۔ یہ تشکل جسمانی جو بیچ میں پیدا ہو گئی ہے یہ تو ایک بہانہ ہے۔ ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔ اے ایمان والو اے عشق و محبت کرنے والو اسلام پر ہی مرنا اور بلا حقیقی مسلمان ہوئے مت مرنا۔

فاش میگویم واز گفتۂ خود دل شادم ... بندۂ عشقم واز ہر دو جہاں آزادم

میں علی الاعلان کہتا ہوں اور اپنے کہے پر خوش ہوں کہ میں عشق کا بندہ ہوں اور دونوں جہاں سے آزاد۔

طائر گلشن قدسم چہ دہم شرح فراق ... کہ دریں دام گہ حادثہ چو افتادم

میں پاکی کے باغ کا پرندہ ہوں فراق کا حال کیا بیان کروں کہ ان آفتوں کے جال میں کیونکر گرفتار ہوا ہوں۔

من ملک بودم و فردوس بریں جایم بود ... آدم آورد دریں دیر خراب آبادم

میں فرشتہ تھا اور پاک بہشت میری جگہہ تھی حضرت آدم مجھکو اس خراب آباد گنبد میں لے آئے ہیں۔

نیست بر لوح دلم جز الف قامت یار ... چہ کنم حرف دگر یاد نداد استادم

میرے دل کی تختی پر یار کے قد کے الف کے سوا کچھ نہیں لکھا میں کیا بتلاؤں کہ اس کے سوا استاد نے کچھ نہیں پڑھایا۔

حضرات۔ اب بھی اگر آپ کو روح کی تشریح کی ضرورت ہے تو سنئے۔ جیسے کہ اس جسم خاکی کا بہترین اور لطیف جسم روح ہے

اسی طرح پر روح کا بھی ایک بہترین اور لطیف جسم ہے جس کا نام "عشق الٰہی" ہے عشق کیا ہے خدا سے براہ راست سلسلہ قائم کر دینے والی چیز ہے اور اسی سے دائمی زندگی حاصل ہوتی ہے۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما

غور کیجئے تو یہی لا الٰہ الا اللہ کی تفسیر ہے جس کے ذریعہ سے انسان معراج کمال پر پہونچکر روح اور اوس سے آگے بڑھ کر جسم عشق بنجاتا ہے یہی وہ سبق تھا جو اول و آخر ہمارے نبی کریم صلعم نے پڑھایا اور عملی صورت میں کر کے دکھلایا۔ ہر متنفس کی زندگی کا دلچسپ مشغلہ محبت ہے خواہ کسی نوعیت کی ہو اور کوئی دل اِس سے خالی نہیں ہے لیکن ایک عاشق کے لئے ضرور ہے کہ وہ محبت کو اوس کے صحیح معنوں میں جانے تا کہ نتیجہ بہتر ہو۔ یہی محبت اگر روحانیت کو قوی کرنے کی غرض سے کیجاتی ہے تو نتیجہ وہی ہوتا ہے جو عرض کیا جاچکا اور اگر نفسانیت یا شہوانیت کی غرض سے کی جاتی ہے تو انسان مجسم شیطان بن جاتا ہے جیسا کہ مولانا فرماتے ہیں۔

عشق ہا گر از پئے رنگے بود
عشق نہ بود عاقبت ننگے بود

جب انسان کی زندگی کا مقصد صرف ایک اور وہ محض محبت ہو تو اوس کو عشق کہتے ہیں لیکن اگر اوس کو ایک سے زائد معشوقوں کی تلاش اور جستجو ہوتی ہے تو اوس کو خواہش کہتے ہیں۔ یہ خواہش محض کہانے کا جوش اور ایک قسم کا اُبال ہوتا ہے۔ دُنیا میں محبت کا

مادہ ہر ایک میں ہوتا ہے۔ سچی اور جھوٹی محبت میں یہی فرق ہے کہ سچی محبت کبھی کم نہیں ہوتی ہے اور زمانہ کے ساتھ اضافہ ہوتا جاتا ہے اور مصنوعی بالآخر یہاں تک گھٹتی ہے کہ نام ونشان تک باقی نہیں رہتا خط وخال کی محبت شباب ہی تک محدود رہتی ہے اور جوش جوانی کے ولولے تو صریحی بیماری ہے محبت خالص مثل ایک صاف شفاف پانی کے ہے جو دوسری اشیاء کو پاک کرتا ہے لیکن اگر گرد آلود ہو گیا تو نفسانیت کے ذرّے اس کو گدلا اور ناپاک کر دیتے ہیں۔ ہر شخص اپنے مذاق کے مطابق کسی حسین کا انتخاب کرتا ہے اور اپنی محبت جیسی بیش بہا چیز مفت اوس کی نظر کر دیتا ہے کوڑیوں کے مول بک جاتا ہے اس کو ہر ایک تکلیف عین راحت معلوم ہوتی ہے۔ نخوت اور غرور خاک میں ملاتا ہے اور فنا کا سبق سکھاتا ہے۔ انکساری اور لجاجت میں خاص لطافت قلبی حاصل ہوتی ہے نفسانیت اور خودی کا نام و نشان مٹ جاتا ہے جیسا کہ مولانا فرماتے ہیں۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما	اے طبیب جملہ علّت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما	اے تو افلاطون و جالینوس ما
از محبت مردہ زندہ مے شود	وز محبت شاہ بندہ مے شود

محبت کی قبولیت کا مادہ ہر ایک میں جداگانہ ہے کسی کے دل میں مثل چنگاری کے آہستہ آہستہ سلگا کرتی ہے اور کسی کی ہستی کو آن واحد میں جلا کر خاکستر کر دیتی ہے لیکن نہ دھواں اوٹھتا ہے اور نہ شعلے نکلتے ہیں یہ آگ دلوں کو کندن بنا دیتی ہے زندگی کے پرخطر راستے کے نشیب و فراز کو ہموار کر دیتی ہے یہ آگ جب تک دل میں ہے مثل

ایک دہو ئیں کے ہے اور جب روح سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے مثل شعلہ کے بھڑک اوٹھتی ہے جس طرح پر کہ آگ بلا شعلے کے روشنی نہیں دیتی اسی طرح پر محبت بلا مشتعل ہوئے کار آمد نہیں بنتی محبت میں دوئی کو مطلق دخل نہیں ہے کیونکہ انسان کے دل میں ایک ہی محبوب کی جگہ ہوتی ہے۔

ہاتھ آئے ہیں میری خاک اڑانے کیلئے
اور سراپا ہے مقتل میں کٹانے کے لئے
پیر پائے ہیں ترے کوچہ میں جانے کیلئے
دلکا کیا جھگڑا ہے یہ تو ہی لٹانے کے لئے
ہو فقط یہ بات قابل غور اے ماہ جبیں
میں تو تیرے واسطے ہوں تو زمانے کیلئے

دل کی قوت محبت سے ہے اور کمزوری اس بات کی دلیل ہے کہ دل محبت سے خالی ہے۔ عشق و محبت میں تمام قوتیں جسمانی ایک ہی طرف مائل ہوتی ہیں گویا حصول مطلب کے لئے ہمہ تن مصروفیت ہوتی ہے اوس کو مطلق خوف و ہراس نہیں ہوتا کیونکہ خوف قوت کو محدود کر دینے والی چیز ہے۔ فرہاد نے پہاڑ کو کاٹ ڈالا۔ مجنوں اپنی محبوبہ کے لئے پیغام سنتا ہوا نتو میل تک چلا گیا وغیرہ وغیرہ یہ سب کیا تھا عشق و محبت کی قوت تھی ایک فوجی سپاہی کو میدان کارزار میں توپ کے گولوں سے مقابلہ کی کون قوت دیتا ہے۔ وہی ملک و قوم اور بادشاہ کی محبت۔ ایک بچے والی مرغی شیر پر کیوں جھپٹ کر حملہ کرتی ہے کیونکہ وہ اپنے بچے کی محبت میں دیوانی ہوتی ہے۔ ایک پہلوان ایک بچہ کو پریشان کرتا ہے بچہ نہایت دلیری سے کہتا ہے کہ میں اپنی ماں سے کہہ دوں گا گویا اوس بچہ کی ماں کی محبت پہلوان کی قوت سے کہیں زیادہ ہے۔ شدت تکلیف یا بیماری میں ایک ماں کا اپنے بچہ کو شفقت اور

محبت سے پیار کرنا ہزاروں دواؤں سے زیادہ مفید اور کارگر ثابت ہوتا ہے۔ ایک عاشق کی بیماری میں معشوق کی موجودگی آب حیات کا اثر رکھتی ہے یہ ایک بیج ہے کہ جب دل میں بو دیا جاتا ہے تو اوس کی نشو و نما خود بخود ہوا کرتی ہے عشق مجازی میں خد و خال کی تلاش ہوتی ہے اور عشق حقیقی میں چشم باطن سے جلوہ جاناں کا متلاشی ہوتا ہے۔ سریلی آوازیں عاشق کی اُمنگوں اور جذبات کو دو بالا کر دیتی ہیں غرضکہ دُنیا میں اگر حقیقی مسرت کسی کو حاصل ہے تو ایک سچے عاشق کو۔ اوس کا تمام وقت لطف اور سرور میں گذرتا ہے جس نے محبت میں اپنے آپ کو فنا کر دیا اوس نے اوس کھوئی ہوئی چیز سے کہیں زیادہ پالیا وہ اپنی حقیقت کو خوب پہچان لیتا ہے اور کوئی راز مخفی نہیں رہتا۔ یہ دلیل عین کامیابی کی ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس قدر تمام دُنیا کے حسینوں میں لطافت اور خوبی ہے یہ اوسی کے حسن کی تو ایک ادنٰی جھلک ہے۔ لیلیٰ کا حسن کیا تھا۔۔؟

عشق لیلیٰ نیست ایں کار منست　　حسن لیلیٰ عکس رخسار منست

گفت لیلیٰ را خلیفہ کاں توئی　　کز تو مجنوں شد پریشاں و غوی

از دگر خوباں تو افزوں نیستی　　گفت خاموش شو چو مجنوں نیستی

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا　　ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

یہ عشق وہ ہے جس نے پیغمبر اعظم نبی آخرالزماں محبوب خدا کا تاج پہنایا اور لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کی بنا قائم کی برسوں عشق میں گرفتار رکھا الغرض عشق و محبت کی کوئی ایک کہانی ہو تو سناؤں ایک قصہ ہو تو بیان کروں اوس کی حکومت ہر کوچہ و دیار میں ہے

اوس کی جلوہ گری ہر جنگل و کوہسار میں ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو جلوہ طور اور حضرت عیسیٰؑ کو سولی پر سرور کیا تھا۔ سرمد علیہ الرحمۃ کی گردن کس نے کٹوائی یہ سب حضرت عشق ہی کی تو بازی گریاں تھیں۔ ایوان زلیخا میں دامن یوسف کس نے چاک کیا صبر ایوبؑ اور گریہ یعقوبؑ میں استغنائی کس نے پیدا کی شب معراج میں دیدار جمال باری کا کس نے پردہ اوٹھایا یہ مجال اور قدرت سوائے حضرت عشق کے اور کس کی تھی۔ معرکہ کربلا کے خاک وخون میں کس کی تڑپ تھی۔ ابراہیمؑ کی آگ کو کس نے گلنار بنایا اور حضرت منصور کو کس نے سولی پر چڑھایا۔ کیا بشر کی مجال تھی کہ انا الحق پکارے پھر یہ آواز کس کی تھی۔ حضرت ابراہیم ادہم کس کی بدولت اپنی سلطنت لٹا بیٹھے وہی عشق جس کی امانت کا بار سوائے انسانی دل کے آسمان بھی نہ اُٹھا سکا۔

یہ عشق کی حیا کی سب تجھ کو سکھا دیگی
اے حسن حیا پرور شوخی بھی شرارت بھی

جس دلمیں عشق کی جلوہ گری نہیں وہ خالی شیشہ ہے۔ وہ دل ہی کیا جس میں کسیکا درد نہ ہو۔ وہ آنکھ ہی کیا جو تمنائے دیدار میں خون نہ برسائے وہ سر ہی کیا جس میں کسیکا سودا نہ ہو۔

آہ میں یہ سب کس کی کہانی سنا رہا ہوں حضرت عشق اور وہی عشق کہ جسکے وصل میں مزا۔ فراق اور جدائی میں مزا جسکی موت میں زندگی اور زندگی میں دائمی سرور۔

دنیا کے تغیر کا نہیں حس شیدائے جمال باری کو
پروانے کو مطلب شمع سے ہے کیا کام ہے رنگ محفل سے

فنا

اوس کے در کی پاسبانی اور ہے ۔ اور محبت کی نشانی اور ہے
ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام ۔ ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

ان تمام روحانی اور نفسانی منازل کو طے کر چکنے کے بعد بالآخر ہم ایسے پر لطف مقام میں پہونچ جاتے ہیں جس کا نام فنا ہے۔ فنا نیستی محض کو کہتے ہیں وہ نیستی ہمارا جسم ہی۔ جسم فنا کے بعد کیا ہوتا ہے اس کا جواب کچھ آسان نہیں۔ مثلاً جو درخت ہمارے سامنے ہے یہ کسی گذشتہ ہستی کی ایک تبدیل شدہ صورت ہے اگر اس کو ہم کاٹ ڈالیں تو اس کی موجودہ ہستی لکڑی تختوں اور کوئی چیز بننے کے بعد کرسی۔ میز۔ کواڑ چوکھٹ وغیرہ میں تبدیل ہو جاوے گی۔ اگر وہ میز یا کرسی جل جاوے تو وہی درخت راکھ کہلائے گا۔ اگر وہ راکھ ہوا میں اُڑ جائے تو وہی درخت ذروں کی شکل میں دکھلائی دے گا اور یہ سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ غرضکہ کسی ہستی کو حقیقی معنوں میں قطعی فانی قرار دینے کا ہمیں اوسوقت تک حق حاصل نہیں ہے جب تک کہ ہم اوس کی ابتدا اور انتہا کی ماہیت سے پورے واقف نہ ہو جاویں ایک تنکا جو آپ کے سامنے پڑا ہوا ہے اوس کی نہ ابتدا معلوم ہے اور نہ انتہا اگر اوس کو ہوا اُڑا لے جاوے تو وہ نگاہ سے غائب تو ہو جاوے گا لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اوس کی ہستی معدوم ہو گئی۔

صورت از بے صورت آمد بیرون
باز شد انا الیہ راجعون

یہی حالت انسان کی ہے کہ اوس کے جسم کو تغیر لازمی ہے۔ کیا اندہے کی نصیحت بھول گئے؟ کہاں تھے۔ کہاں رہے۔ کیا کیا کھلائے عدم سے وجود میں آئے۔ گودوں میں رہے۔ گھٹنوں کے بل چلے۔ کھڑے ہوئے۔ گرے بالآخر نشو و نما پا کر سیدہے ہوئے۔ کیا خاک سیدھے ہوئے پھر جھک گئے اور جہاں سے آئے تھے وہیں کو روانہ ہو گئے۔

ہر کسے کو دور ماند از وصل خویش
باز جوید روزگارے وصل خویش

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ

اس زمین سے ہمنے تم کو بنایا اور اسی میں تم کو پھر ڈالتے ہیں اور اسی سے تم کو دوبارہ پھر نکالیں گے۔

دم واپسیں بر سر راہ ہے
عزیزو بس اللہ ہی اللہ ہے

یہی وہ وقت ہے جہاں سے کہ مقام مقصود نظر آنے لگتا ہے لیکن بظاہر یہ کچھ عجیب بھیانک منظر اور نفسی نفسی کا عالم ہوتا ہے کیونکہ ساتھیوں میں سے ہر ایک الوداع کہہ کر ہمیشہ کے واسطے رخصت ہو رہا ہوتا ہے وہ کچھ ایسی مایوسانہ نظریں ہوا کرتی ہیں کہ جن سے آئندہ کی ساری ہی امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں اور انسان دیکھتا کا دیکھتا رہ جاتا ہے جتنا وہ بتدریج دنیاوی دل آویزیوں میں داخل ہوا تھا ایک ہی دو ہچکیوں میں سکڑ کر اصلی مقام تک پیچھے ہٹ جاتا ہے وہ

اس وقت تنہا ہوا کرتا ہے نہ دوست کو دوست کی پرواہ ہوتی ہے نہ بھائی کو بھائی کی اور موت کی تیز قینچی محبت کی کڑیوں کو آناً فاناً میں کاٹ کر جدا کر دیتی ہے ہر طرف فراق کی صورتیں نظر آتی ہیں اور ہر سمت سے جدائی کا راگ بجنے لگتا ہے دل آویزیاں ایک ایک کر کے گلے ملنے کے لئے جس قدر اپنی طرف کھینچتی ہیں وہ اتنا ہی دور ہوتا جاتا ہے اوس کے غم و الم کی اوس وقت کوئی انتہا نہیں ہوتی جب وہ اپنے مادی سامان کو جس کو اپنا عزیز خون بہا کر اور قیمتی عمر کو کوڑیوں کے مول بیچکر حاصل کیا تھا نااہلوں کے قبضے میں جاتے ہوئے دیکھتا ہے وہ اس پر بھی صبر کر لیتا ہے لیکن پھر اوس کو زیادہ غمگین بنانے والی وہ نعمتیں جھنتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں جن کے ذریعے سے اوس کو یہ قدرت حاصل تھی کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جاوے وہ اس وحشت ناک منظر سے دور بھاگ کر جانا چاہتا ہے لیکن نہیں جا سکتا وہ بے چین اور بیقرار ہو کر کروٹ بدلنا چاہتا ہے لیکن یہ بھی نہیں کر سکتا وہ اون رفیق آنکھوں سے جنہوں نے اوس کو بہت کچھ سبز باغ دکھلائے تھے چند افسردہ اور غمگین چہروں کو اپنے گرد صدقے اور قربان ہوتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن آن واحد میں جہاں تاریک ہو کر بینائی ہی رخصت ہو جاتی ہے۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

گویا کچھ دیکھا ہی نہ تھا کانوں سے چند سکنڈ پیاری پیاری آوازیں آتی ہیں اور بند ہو جاتی ہیں گویا کچھ سنا ہی نہ تھا۔ غرضکہ دنیا وہی کائنات تو اوس سے اس طرح پر کج ادائی اور کنارہ کشی اختیار کر لیتی ہے گویا اوس سے کوئی واسطہ اور سروکار ہی نہ تھا۔

اے مظہر تشویش حشیم گوشے نشوہی
سرمایۂ خوشی و خرد سے شے نہ شوہی

باید کہ بیائے خود روی تا سرِ گور
اے جوہر پاک بار دوشے نہ شوہی

اب اس ہم کے پاس جو کائنات باقی رہتی ہے وہ بچی کچی کرم خوردہ عقل اور اوس کی رفیق روح رہ جاتی ہے عقل چکراتی ہے دم گھبراتا ہے اور ایک ہی دو توڑ مروڑ کر رکھ دینے والی انگڑائیوں میں قصہ تمام ہو جاتا ہے۔

موت نے کر دیا واقف کہ یہ ہستی کیا تھی
ہوش آیا تو کھلا حال کہ مستی کیا تھی

عقل اور دانشمندیوں کے بھی تمام دروازوں میں قفل لگ جاتے ہیں وہ ایک تنگ و تاریک مقام میں اپنے آپ کو پاتا ہے تب وہ سوچتا ہے کہ میں کون ہوں اور کہاں ہوں اوس وقت اگر اوس کی روحی قوت قوی ہے تو نبی برحق محمد الرسول اللہ صلعم کے بتلائے ہوئے راستے سے گذر کر نورانی مقام پر پہونچ جاوے گی ورنہ اوسی ظلمت اور تاریک مقام پر ابد الاباد تک سر ٹکراتی ہوئی پھرے گی۔

اے جنوں اتنی بھی بیباکی تیری اچھی نہیں
اے سر شوریدہ اتنی خود سری اچھی نہیں

زندگی کہتی ہے دنیا سے اپنا دل لگا
موت کہتی ہے کہ ایسی دل لگی اچھی نہیں

کل نفسہ ذائقۃ الموت کا فرمان اٹل ہے اور یقیناً زندگی کا نتیجہ اجل ہے تعریف کے قابل صرف خدا ہی کی ذات ہے جس نے سب کی قسمتوں میں مرنا لکھ دیا اور بقا میں آپ یکتا و یگانہ رہا۔ بدگمانی سے تو اوس وقت کام لیا جاوے۔ جب عقل کام

:: دے ورنہ ظاہر ہے کہ موت تو ہم کو ابتدا ہی میں انجام بتلا دیتی ہے
فرقت یار میں جینے کا سہارا کیا تھا   خوب تھی موت سوا موت کے چارہ کیا تھا
جان اللہ نے لی جسم ہوا داخل گور   ہم نے بھی دل میں یہ سمجھا کہ ہمارا کیا تھا

یہ وہ وقت ہے جبکہ انسان اس دنیا ناپیدا کنار سے رخصت ہوتا ہے یہ خاص وہی دن ہوتا ہے جس کو انسان اپنی مدت العمر میں بھولے سے بھی یاد نہیں کرتا اور اگر کسی وجہ سے یاد بھی آجاتا ہے تو اوس کے بہلانے کی کوشش کیا کرتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جبکہ انسان سالہا سال کا سویا ہوا خواب غفلت سے بیدار کیا جاتا ہے اور جھٹکے دے دے کر دنیا کی مضبوطیوں سے اوکھاڑا جاتا ہے اور خواب مدہوشی کا نشہ ہرن کیا جاتا ہے اوس کی تلخی سے منہ کا مزہ کڑوا ہوتا ہے اور ہر چیز جو اس دنیا میں پیدا ہوئی ہے اوس کے فانی ہونے کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔

ہم مٹ گئے تو صورت ہستی نظر پڑی
ویران جب آپ ہو گئی بستی نظر پڑی

الغرض زندگی اور موت کے قوانین کائنات عالم کے ہر حصے میں برابر کام کر رہے ہیں نہ نام و نشان کے مٹ جانے کا نام موت ہے اور نہ نیستی سے ہستی میں آنے کا نام زندگی ہے۔ بلکہ اعمالوں کی خریداری کا بازار گرم ہے۔

مزرع سبز فلک دیدم و داس مہ نو
یادم از کشتۂ خویش آمد و ہنگام درو

جبکہ میں نے آسمان کا سبز کھیت اور ماہِ نو کی درانتی دیکھی تو مجھکو

اپنی کھیتی اور اوس کی پیداوار کے کاٹنے کا خیال آگیا۔
"تبارک الذی بیدہ الملک وھو علیٰ کل شیٔ قدیر الذی خلق الموت والحیٰوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا" (ترجمہ۔ بابرکت ہے وہ جس کے ہاتھ میں دنیا جہان کی سلطنت ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے)

ستم از غمزہ میاموز کہ در مذہب عشق
ہر عمل اجرے و ہر کردہ جزائے دارد

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب لوگ پوچھتے کہ آپ کیسے ہیں تو فرماتے کہ وہ شخص خود ہی سمجھ لو کہ کیسا ہوگا جو صبح کو یہ نہ جانے کہ شام تک جیوں گا بھی یا نہیں اور شام کو یہ نہ جانے کہ رات کے کس نامعلوم حصے میں اوس کا دم نکل جاوے گا۔ اسی طرح جیسے حضرت مالک دینار رحمۃ اللہ علیہ سے لوگ پوچھتے کہ کس حال میں ہیں اور مزاج کیسا ہے تو فرماتے کہ اوس شخص کے مزاج کی کیا حالت پوچھتے ہو جس کی عمر تو گھٹ رہی ہو اور گناہ بڑھتے جاتے ہوں افسوس کہ سفر بہت دور دراز کا ہے اور زادراہ کچھ پاس نہیں ہے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ہر متنفس کو ایک روز موت کا مزا چکھنا ہے وہ تو نہایت بدمزہ چیز ہے۔ نہیں وہ مزا کڑوا بھی ہے اور میٹھا بھی ہے حقیقت اس کی اس طرح پر ہے کہ دنیا سمجھ لو کہ سرائے کا گویا ایک کمرہ ہے جس میں ہم مقیم ہیں اور ہم خوب جانتے ہیں کہ ایک غیر معلوم وقت میں حکم آتے ہی یہاں سے چلدینا پڑے گا کیا اس خیال کو بہ نظر

رکھ کر ایک مسافر کو اوس سرائے کے کمرے سے الفت اور محبت ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں! اِس خیال کے پختہ ہو جانے کے بعد وہ تو اوس مقام کی فکر میں مشغول ہو گا جہاں کہ اوس کو جانا ہے وہ لوگوں سے اُس نئی جگہ کے حالات دریافت کرے گا اور اپنی حالت کو اُسی کے مناسب حال بنائے گا تاکہ وہاں پہونچکر اوس کو دقت اور تکلیف پیش نہ آوے۔ اوس کے بعد وہ ہر وقت حکم کا منتظر رہے گا اور اسی قدر ضروری سامان اپنے پاس رکھے گا جو اُس عارضی قیام کے واسطے ضروری ہو وہ جانتا ہے کہ موت ہماری روحانی زندگی کا ایک دروازہ ہے جس میں سے گذر کر پہلی منزل ختم ہوتی ہے۔

مزہ چکھ کر فنا کا ہم رہیں گے تا ابد باقی
کہیں اس عالم ہستی سے بہتر ہے عدم اپنا

اب آپ خود ہی اندازہ کر لیجئے کہ ذائقۃ الموت کس کے واسطے مزے دار ہے اور کس کے واسطے بدمزہ ہے۔ مصیبت الموت اوس مسافر کے واسطے ہے جس نے سرائے کے ایک گوشہ کو اپنا دائمی مکان تصور کر لیا ہے اوس کی آرائش اور زیبائش میں ضرورت سے زیادہ مبالغہ کیا ہے جن کو چھوڑ کر جانے کے واسطے وہ ہرگز آمادہ نہیں ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلعم ایک چٹائی پر سوئے ہوئے تھے جب آپ اوٹھے تو اوس چٹائی کے نشان جسم مبارک پر پڑ گئے تھے۔ کسی نے کہا کہ یا رسول اللہ اگر مجھے حکم ہوتا تو میں اپنا کپڑا بچھا دیتا آپ نے فرمایا کہ مجھے دُنیا کے آراموں سے کیا کام میرا تعلق تو اِس دُنیا سے صرف اس قدر ہے کہ جتنا ایک سوار کا جو ایک درخت کے سایہ

کے تلے تھوڑی دیر دم لیتا ہے اور پھر چل دیتا ہے۔

بنشیں بر لب جوئے و گذر عمر ببیں
کیں اشارت ز جہاں گذران مارا بس

ارسطو کا قول ہے کہ جس نے موت کو پیش نظر رکھا اوس نے اپنے نفس کو درست کر لیا۔ انسان کے تین دوست ہیں ایک تو وہ جو مرتے وقت تک اوس کے ساتھ وفا کرے ایک وہ جو لب گور تک اور ایک وہ جو قیامت تک۔ جو مرتے دم تک وفا کرتے ہیں وہ اوس کے عزیز و اقارب ہیں اور جو قیامت تک انسان کے ساتھ رہتے اور اوس کی مدد کرتے ہیں وہ اوس کے ذاتی اعمال ہیں۔ مُوتُو قبلَ انتَ تمُوتُو کے یہی معنی ہیں کہ موت کی دوا سے خواہشات بیجا کا علاج معقول کر لینا چاہیئے کیونکہ دنیا کی محبت کانوں کو اپنی حکمت سے بہرہ اور دل کو نور بصیرت سے اندھا بنا دیتی ہے۔

مولانا روم علیہ الرحمۃ نے اس کی ایک عمدہ مثال مثنوی شریف میں تحریر فرمائی ہے کہ ایک سوداگر کے پاس ایک طوطی تھی جس کو وہ بہت ہی عزیز رکھتا تھا اتفاق سے سوداگر کو سفر درپیش ہوا روانگی کے وقت اوس نے اپنی بیوی بچوں اور دیگر عزیز و اقارب سے پوچھا کہ میں تم لوگوں کے واسطے کیا چیز لاؤں ہر ایک نے اپنی اپنی پسند کے مطابق فرمائشیں کر دیں اوس کے بعد سوداگر طوطی کے پاس گیا اور پوچھا کہ تیرے واسطے کیا لاؤں طوطی بولی کہ اے سوداگر میری خواہش صرف اس قدر ہے کہ جب تجھے راستے میں

کوئی غول میری ہمجنس طوطیوں کا نظر پڑے تو اون سے صرف میرا سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ ایک طوطی فلاں مقام پر پنجرے میں بند ہے اوس کا تم سے ملنے کو بہت دل چاہتا ہے۔ یہ سن کر سوداگر سفر کو روانہ ہوا اور اپنے مقام پر پہونچکر سب کے واسطے اوس نے تحائف خریدے واپسی کے وقت راستے میں اوس نے طوطیوں کے ایک غول کو اڑتے ہوئے دیکھا اوس وقت اوس کو اپنی طوطی کا پیغام یاد آیا اور کہہ دیا۔ یہ پیغام سن کر ایک طوطی پھڑ پھڑاتی ہوئی زمین پر گری اور مر گئی سوداگر کو تعجب ہوا اور اوس نے واپس پہونچکر ہر ایک کو تحفے تحائف دئے اور طوطی سے بھی یہ ماجرا کہہ سنایا۔ یہ سن کر پنجرے والی طوطی بھی پھڑ پھڑائی اور مر گئی سوداگر کو طوطی سے بڑی الفت تھی اس واقعہ سے کمال رنج و غم ہوا لیکن جو ہیں سوداگر نے اوس کو پنجرے سے نکالکر باہر ڈالا وہ طوطی اوڑی اور ایک قریب کے درخت کی شاخ پر جا بیٹھی سوداگر نے اس بے وفائی کی وجہ دریافت کی طوطی بولی کہ اے سوداگر تو پشیمان مت ہو اور یاد کر کہ تو نے ہی تو مجھے رہائی کی ترکیب بتلائی تھی۔ دراصل وہ جنگل والی طوطی جو زمین پر گری تھی مری نہ تھی بلکہ اپنے ملنے کی یہ ترکیب مجھے بتلائی تھی۔ خاک شو پیش ازاں کہ خاک شوی۔ اے سوداگر سن کہ حقیقی آزادی اوسی وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ نفس امارہ کو مار کر فنا کر دیا جاوے اور ایسی کامیابی کا نام حیات ابدی ہے۔

گوہر از بہر کے بروں ارد
ترک سر تا نمی کنی غواص

کہتے ہیں کہ جب حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ کو فنا فی اللہ کا درجہ حاصل ہوا اور بسبب جوش کے کلمہ انا الحق (یعنی نعوذ باللہ میں خدا ہوں) کہنے کی پاداش میں دار پر کھینچے گئے تو جو قطرہ زمین پر خون کا گرتا تھا صورت نقش انا الحق پیدا کرتا تھا اون کو زندگی سے اگر تھوڑا بہت التفات باقی رہ گیا تھا تو وہ بھی صرف اس قدر کہ دنیا بھی اوسکے جمال کا ایک مظہر ہے۔

اے بروں از وہم قیل و قال ما
خاک بر فرق من و تمثال ما

لیکن اگر ہمارے اعمال بہتر ہیں اور ہم نے اپنے فرائض دینی و دنیوی کی بجا آوری عمدہ طور پر کی ہے تو موت سے بغلگیر ہونے میں ہمیں ذرا بھی خوف نہ کرنا چاہئیے کیونکہ یہ اوس قصر روحی کے دروازے کا داخلہ ہے جہاں پر ہمارے اعمال نیک و بد کی جزا اور سزا کا قطعی فیصلہ کیا جاوے گا۔

یقین ہے کہ ہم جس کو سمجھے ہیں مرنا
یہی ہو تو ہو زندگانی کی صورت

اگر ہم اپنے گناہوں کی وجہ سے موت سے خائف ہیں تو یہ اور بھی زیادہ خوفناک بات ہے کہ ہم اسی گنہگاری کی حالت میں زندگی کو اور بھی وسعت دینا چاہتے ہیں۔ ارسطو سے کسی نے پوچھا کہ موت تم سے کتنے فاصلہ پر ہے اس نے کہا کہ جتنا ایک پکا ہوا پھل ہوا کے چلتے وقت گرنے سے موت کا وقت ایک ایسا پوشیدہ راز ہے کہ جس کا صحیح حال کسی کو بھی نہ معلوم ہو سکا پیغمبر علیہ السلام

نے ایک مرتبہ حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کی پہاڑی پر فرمایا تھا کہ اے لوگو میری باتوں کو دھیان لگا کر سنو کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس سال کے بعد کبھی پھر بھی اس موقع پر میں تمہارے درمیان میں ہوں گا۔

قبرستان میں فاتحہ کی غرض سے جانے کا طریقہ اسی واسطے مسنون رکھا گیا ہے تاکہ انسان اپنی حقیقت سے بخوبی آگاہ رہے اور خدا کو نہ بھول جائے۔ قالو انا للہ و انا الیہ راجعون یعنی ہم اللہ ہی کے واسطے پیدا ہوئے ہیں اور اوسی کے پاس پھر لوٹ کر جانا ہے۔

بنارس کی تعیناتی کے زمانہ میں ایک روز میں گھومتا پھرتا بمقام فاطمان جا نکلا جہاں مشہور شاعر علی حزیں کا مزار ہے لوح مزار پر ان اشعار کو پڑھ کر طبیعت مسرور ہوئی جو حسب ذیل ہیں۔

زباں دانے محبت بودہ ام دیگر نمی دانم
ہمیں دانم کہ گوش از دوست پیغامے رسید اینجا
حزیں از پائے رہ پیماں بسے سرگشتگی دیدم
سر شوریدہ بر بالیں آرامے رسید اینجا

افلاطون کا قول ہے کہ جب کسی جگہ عمارت کی بنیاد قائم کرو اور اوس کے استحکام میں مبالغہ کرو تو اس بات کو یاد رکھو کہ اس میں سارے عالم کا حصہ ہے ورنہ وہ اپنے پہلو سے تم کو تردد میں ڈالیگا کہ تمکو خبر بھی نہ ہو گی۔

موت کی مشابہت موسم سرما کے عین مناسب حال ہے دیکھو اوس وقت جبکہ ہم اپنے کاروبار میں ہمہ تن مصروف ہو جاتے ہیں

توراۃ کی سیاہی بڑی آہستگی سے پھیل جاتی ہے اور ہمکو خبر بھی نہیں ہوتی
اسی طرح پر موت کی سیاہی زندگی کی دہوپ پر بلا جبر غلبہ کر لیتی ہے
ہم مستقبل کی تدابیر ترقی میں مصروف ہوکر بڑے بڑے عظیم الشان کام
شروع کردیتے ہیں اور یکبارگی حجاب وارد ہوجاتا ہے۔ سقراط سے کسی
نے اُسکے مرتے وقت پوچھا کہ تم اپنے نعش کی بابتہ کیا مناسب سمجھتے
ہو اوس نے جواب دیا کہ اس کی فکر تو وہ کرے جس کو پھر اس مکان
کی ضرورت ہو۔ سچ ہے بندہ خائف وہی ہے جو اپنے آپ کو اُس
بیمار کی طرح رکھے جو موت کے خوف سے سب قسم کی خواہشات سے
حذر کرتا ہے۔ ارسیجانس ایک حکیم کہتا ہے کہ جب تمہارا نفس خواہشوں
کے کم کرنے پر راضی ہوجائے تو فنا ہونے والی چیزیں جمع کرکے
مت رکھو۔

بہائے وصل تو گر جان بود خریدارم
کہ جنس خوب مبصّر بہر چہ دید خرید

مرنا در اصل یہ ہے کہ شہوت اور غضب پر حکمت کو غالب کرکے اُن
کو قابو میں کر لیا جائے اور علم و عمل کے ذریعہ سے روحوں کی تکمیل کرنی
چاہیئے تاکہ بدن چھوڑنے کے بعد دائمی زندگی حاصل ہوجائے۔
مرنا اوس درویش الٰہی سے سیکھو جس نے حضرت فرید الدین عطار
رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا تھا قصہ اوس کا اس طرح پر ہے کہ ایک
مرتبہ یہ بزرگ جو کہ پیشہ عطاری کیا کرتے تھے ایک روز دوکان پر بیٹھے
ہوئے ادویات فروخت کر رہے تھے ایک فقیر اون کی دوکان پر آیا
اور سوال کیا کہ مجھے کچھ دے انہوں نے مصروفیت کام کی وجہ سے

جواب دیا کہ اسوقت ہاتھ خالی نہیں ہے میاں صاحب آگے جایئے
فقیر خفا ہو کر بولا کہ فریدالدین کو روپئے پیسے سے کب فرصت ہے۔ لینے
کے لئے تو اوس کے دونوں ہاتھ خالی ہیں لیکن دینے کے واسطے
ایک بھی خالی نہیں۔ اے مرد خدا تو ہزاروں مریضوں کا علاج کرتا ہی
اور ان میں سے اکثر کو مرتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن خدا کے خوف
سے نہیں ڈرتا میں نہیں سمجھتا کہ تیری روح کس مشکل سے نکلے گی کبھی
اوس بوتل میں جا گھسے گی کبھی اوس تھیلیا میں جا چھپے گی۔ حضرت
فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ یہ جواب فقیر کا سنکر ہکا بکا ہوئے اور جواب دیا
کہ اے فقیر ذرا تو بھی تو اپنے گریبان میں مُنہ ڈالکر دیکھ کہ تجھ پر لالچ کسقدر
غالب ہے طالب خدا کہیں ایک ایک پیسے پر جھگڑتے ہیں تیری
روح مجھ سے بھی زیادہ مشکل سے نکلے گی کبھی تو بھاگ کر اوس دروازے
پر جائے گی کبھی دوسرے پر کبھی خیرات خانے میں بھٹکے گی کبھی محتاج خانے
میں چکر لگاوے گی تو فریدالدین پر کیا اعتراض کرتا ہے۔

حافظ آب رُخ خود بر درِ ہر سفلہ مریز
حاجت آں بہ کہ بر قاضیٔ حاجات بریم

فقیر یہ سُن کر مسکرایا اور ایک کملی جو اوس کے پاس تھی اوس کو بھی
اُتار کر پھینکدی اور دوکان کے سامنے یہ کہہ کر لیٹ گیا کہ دیکھ فقیر تو اس
طرح پر مرا کرتے ہیں اور یہ جملے ختم بھی نہ ہونے پائے تھے کہ اوس خدا
رسیدہ فقیر کی جان نکل گئی۔

گفت تو دوسے فقیرے در فنا و در بقا
خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

یہ حالت دیکھکر مولانا پر عجیب کیفیت طاری ہوئی تمام بوتلیں اور ادویات کے شیشے اور برتن اوسی وقت توڑ کر پھینک دئے اور یاد الٰہی میں مصروف ہو گئے۔

کفر کافر را و دین دیندار را
ذرۂ از درد دل عطار را

مولانا موصوف بڑے کاملین میں سے گذرے ہیں جن کی تعریف میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ہفت شہرے عشق را عطار دید
ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

کسی کا مقولہ ہے کہ جب میں دولتمند تھا تو مجھے معمولی شخص بننے کی خواہش رہی اور جب ایسا ہوا تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی کیوں کہ اس عالم میں جتنا غور کیا تو میری حالت اور طبیعت اختصار کی طرف مائل ہوتی گئی اور بالآخر یہاں تک نوبت پہونچی کہ صرف اپنے جسم کو میں اپنی عہد حکومت خیال کیا کرتا تھا لیکن بعد کو جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ جسم بھی دراصل میری اپنی چیز نہیں ہے تو مجھے اس سے بھی نفرت پیدا ہو گئی اور آخر کار اس گھٹنے سے میں اس قدر بڑھا کہ آج ہفت اقلیم بھی میری نگاہ میں ہیچ ہے۔

بیاں کیا کروں لطف و احسان دوست
کہ جوں جوں گھٹا میں بڑھا یا مجھے

ایشیائی حصے دُنیا میں روحانیت کا مذاق قدیم ہے امرا غربا شعرا یہاں تک کہ بادشاہوں نے بھی اس دلچسپی میں حصہ لیا ہے۔

لیکن کسی ایک نے بھی اس کو ڈراؤنی شکل میں پیش نہیں کیا جیسا کہ موت کو بادی النظر میں سمجھا جاتا ہے۔

بقدرے ہر سکون راحت بود بنگر تفاوت را
دویدن رفتن استادن نشستن خفتن و مردن

جس طرح پر ماں کے پیٹ میں جانے سے پہلے اوس اندھیری کوٹھری کا علم نہ تھا جب وہاں پہونچے تو باہر کی دنیا سے بے خبر تھے اسی طرح پر اگر ہم اوس عالم روحانی کو نہیں دیکھ سکتے جہاں ہمارا آئندہ قیام ہوگا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے ہم ہمیشہ سے سفر میں ہیں اور ہر سکنڈ پر ہم کسی طرف کو از خود جا رہے ہیں اگر عمر طبیعی سو سال کی خیال کر لیجاوے تو پچاس سال سے زائد تو ہمارے سونے آرام طلبی اور خواب غفلت کے حوالہ ہو جاتے ہیں دس سال بچپن اور دس سال کھیل کود تعلیم اور دس سال تکالیف بیماری اور بیچینی میں گذر جاتے ہیں بقیہ بیس تیس سال جو دنیا داری کے کاموں میں بسر ہوتے ہیں وہ کس شمار میں آسکتے ہیں اور اس میں کتنا وقت ہم روحانیت کے حاصل کرنے میں بسر کرتے ہیں۔

بے عمر زندہ ام من و زیں بس عجب مدار
روزے فراق را کہ نہد در شمار عمر

ہمیں اپنی عمر کو در اصل اعمال کی رسّی سے ناپنا چاہیئے نہ کہ دن مہینے اور سال سے کسی بزرگ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ کی کتنی عمر ہے (اون کی عمر اوس وقت اسّی سال کی تھی) فرمایا کہ مجھکو اپنے مرشد سے صرف تین برس صحبت رہی ہے اوسی کو میں

عمر شمار کرتا ہوں باقی تو وبال آخرت ہے۔

اوقات ہمہ بود کہ با یار بسر رفت
باقی ہمہ بے حاصل و بے خبری بود

بقول خاقانی نتیجہ زندگی کا معرفت الٰہی ہے۔

پس از سی سال این معنی محقق شد بخاقانی
کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

ان تمام واقعات سے میرا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ انسان اپنی موت کو گلے کا ہار بنانے اور قبل از وقت یا تو اجل کا شکار ہو جاوے یا مجنونانہ زندگی بسر کرے۔ نہیں بلکہ بقول حافظ رحمۃ اللہ علیہ۔

حافظ از باد خزاں در چمن دھر مرنج
فکر معقول بفرما گل بے خار کجاست

جب یہ طے شدہ بات ہے کہ ہمیں یہاں سے مر کر جانا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم رو پیٹ کر مریں یا ہنسی خوشی رخصت ہو جاویں اسکا یہی جواب ہے کہ ایک پاک زندگی کو موت کا کبھی ڈر نہیں ہوتا ہے۔ ڈرنے والے کی مثال تو اوس بچہ سے بہت مشابہ ہے جو گھر سے مکلف لباس پہنکر مکتب کو روانہ ہوتا ہے اور راستہ میں دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل کر تمام وقت ضائع کر دیتا ہے اور جابجا سے کپڑے پھاڑ لیتا ہے اور اس حالت کے بعد جب گھر کی واپسی سے اوسکو دلی مسرت ہونی چاہیئے اب اوس پر خوف اور وحشت غالب ہوتا ہے اور اوس کو پیٹے جانے کا ڈر ہوتا ہے لیکن جن بچوں نے ایسا نہیں کیا وہ خوشی خوشی گھروں کو واپس چلے جاتے

ہیں۔ ہمیں کم از کم چوبیس گھنٹے میں ایک مرتبہ سونے سے پہلے اپنے دن بھر کے نیک و بد اعمال کو خیالی ترازو میں وزن کر لینا چاہیئے اور مرتے وقت تمام عمر کے کیونکہ ہوشمندوں کے لئے خواب بھی ایک خفیف موت ہے اور موت ایک سنگین خواب ہے الناس نیام فاذا ماتوا تنبھوا۔ یعنی آدمی سو رہے ہیں جب مریں گے تب جاگیں گے۔ زندگی کوئی کھیل تماشے نہیں ہے۔ نہ محض خوشی کے واسطے انسان یہاں آیا ہے اور نہ محض رنج و غم کے واسطے ہمارا اشارہ ہے کہ دونوں صورتیں لازم ملزوم ہیں۔

گر یک نفس ست زندگانی گذرد — مگذار کہ جز بشادمانی گذرد
زنہار کہ سرمایۂ ایں ملک جہاں — عمرست چناں کش گذران میگذرد

اگر ہم چون و چرا میں پڑ کر ساری عمر اوس کی ماہیت اور حقیقت ہی کی جانچ میں لگے رہے کہ کیا کریں اور کیونکر کریں تو نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔

آورد باضطرابم اول بوجود — جز حیرتم از حیات چیزے نہ فزود
رفتیم بہ اکراہ و ندانیم چہ بود — زیں آمدن و بودن و رفتن مقصود؟

ہماری خواہشات اور ضروریات ہماری سانسوں سے بھی کہیں زیادہ ہیں ہماری عمر کی کمی کی کوئی حقیقت نہیں۔ لیکن انسان کی بےحسی اور استغنا کا یہ عالم ہے کہ اپنے نقائص ہی سے بےخبر ہیں اگر اتفاق سے باخبر کرنے والے اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں تو قصداً اونکو بھلانے کی کوشش کی جاتی ہے اور اپنے دل کو سمجھا لیا جاتا ہے کہ فی الحال وہی لوگ مر رہے ہیں جن کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ غرضکہ اکثر بڑے

بڑے لوگوں نے دُنیاوی معاملات میں دلچسپی حاصل کی اور اوسکے عجیبُ غریب اسباب فراہم کئے مثلاً کسی نے زندگی کو خوش کن آلہ محبت بنایا کسی نے ملک گیری میں دل بہلایا اس میں کسی کو مایوسی کسی کو احسان فراموشی نصیب ہوئی لیکن کوئی کار آمد بات پیدا نہ ہوئی ایک دُنیا دار کے واسطے موت کا خیال آجانا ایسا ہے جیسے مداری آم کی گٹھلی سے جامن کا درخت بنا کر دکھلا دیتا ہے۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

ایک لطیفہ جو میں نے ابتدائی عمر میں پہلی یا دوسری کتاب میں پڑھا تھا اس وقت یاد آگیا جو ناظرین کے واسطے خالی از دلچسپی نہ ہوگا ایک مزدور نے دہوپ کی تپش سے تنگ آن کر اپنی لکڑیوں کے گٹھے کو جو اوس کے سر پر تھا پھینک دیا اور اوس تکلیف کی زندگی سے موت کو ترجیح دیکر موت کا آرزومند ہوا۔ ملک الموت فوراً بشکل انسان نمودار ہوئے اور مزدور سے پوچھا کہ تو نے مجھے کیوں یاد کیا ہے مزدور گھبرایا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا کہ حضور میرے سر سے یہ لکڑیوں کا بوجھ گر گیا ہے اس کو اوٹھا دیجئے فقط یہی کام تھا جس کے لئے تکلیف دی ہے۔ کسی دُنیا کے شیدائی اور متوالے کو جس کی دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ آرزوئیں پوری ہونے والی ہیں موت کا خیال آنے دیجئے پھر دیکھئے کیا حالت ہوتی ہے اوس کا چہرہ بدل جائیگا رنگ فق ہو جائے گا۔ سر سے پیر تک ایک قسم کی بے چینی اور سنسناہٹ پیدا ہو کر اوس مسکراہٹ میں زہریلی آمیزش پیدا ہو جائے گی یہ کیوں۔ یہ اس وجہ

سے کہ وہ ابھی ناتجربہ کار ہے وہ نہیں جانتا کہ جس طرح پھول کے ساتھ کانٹا ہوتا ہے اسی طرح ہنسی کے ساتھ رونا اور زندگی کے ساتھ موت ہے۔ افسوس کہ ہمیں خدا کا اسقدر خوف نہیں جتنا موت کا ڈر ہے۔

چلتی چاکی دیکھکر دیا کبیرا روے
ان دو پاٹن کے بیچ میں ثابت بچا نہ کوے

عام اس سے کہ انسان عمر طبیعی کو پہونچ گیا ہو اوس کے تمام اعضا جسمانی نکمے اور بیکار ہوگئے ہوں۔ ایک دائم المریض جو شدت تکلیف سے بے چین ہو رہا ہے ایک فاقہ کش جو بھوک سے جاں بلب ہے باوجود ان تمام مصائب کے ایسے مرنے والے کی حسرت بھری نگاہیں اس بات کا پتہ دیں گی کہ کاش وہ موت کا شکار نہوتا اور یہ البیلی اور انوکھی دلہن (دُنیا) اوس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ ہوتی۔

مجو درستئ عہد از جہان سست نہاد
کہ ایں عجوزہ عروس ہزار داماد ست

اگر کوئی ساتھ لے گیا تو وہ اوس کے نیک و بد اعمال ہیں باقی بھلائی اور بُرائی کے قصے وہ دوسروں کے بیان کرنے کے لئے چھوڑ جاتا ہے مادّی اشیا میں لوہا جو سب سے زیادہ مضبوط ہے بالآخر گل سڑ کر مٹی ہو جاتا ہے انسان کی تو کیا ہستی ہے۔

ہر ایک کو ہے زمانہ میں زندگی مقصود
کسے خبر ہے کہ مقصود زندگی کیا ہے

ہم پانی کے بلبلے ہیں جو پیدا ہو کر تھوڑی دیر اٹکھیلیاں کرتے اور پھر غائب ہو جاتے ہیں یہ بلبلا کہاں سے پیدا ہوتا اور کہاں غائب

ہوجایا کرتا ہے یہ اسی پانی سے نکلکر اسی میں پھر ملجاتا ہے البتہ تھوڑی سی ہوا اس میں شامل ہوجانے سے ایک جداگانہ عارضی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ ایک مرتبہ نہیں بلکہ بارہا یہ تماشا آپ نے بارش کے زمانہ میں دیکھا ہوگا لیکن کیا کبھی اس نظر سے بھی دیکھا ہے کہ یہ انسان کی زندگی اور موت کی ایک بیّن مثال ہے۔

ہمچوں حباب دیدہ برفے قدح کشائے

دین خانہ را قیاس اساس از حباب کن

سنو تم ایک باغ کی کلی کی مثال ہو جو کلی سے پھول ہوجاتی ہے اور پھر خشک ہوکر زمین کی خاک میں مل جاتی ہے تمہارا وجود رہ گذر کے اُس نقش کفِ پا سے زیادہ دیرپا نہیں ہے جو ہوا کے جھوکوں پر ہر وقت نثار ہونے کو تیار ہے۔

ہستیم جملہ خیال ست بہ تمثال سراب — بالیقین من ہیم و وہم و گمانم باقیست

کاروانم ہمہ بگذشت زمیدان شہود — ہمچو نقش کفِ پا نام و نشانم باقیست

دیکھہ نہ لو کہ کوئی اپنے وقت کا ارسطو اور جالینوس ہوا کسی کی عمر پاگل خانہ میں بسر ہوئی۔ کسی نے بادشاہت کی اور کسی نے فقیری۔ ان کا تو ذکر کیا ہے اونکی قبروں کا بھی پتہ نہیں چلتا۔

متاز لے بت چیں کہ چیں ہم نہ ماند — مدارِ جہاں ایں چنیں ہم نہ ماند

شطریان صحرا گزیں گر نمیرد — شہنشاہ مسند نشیں ہم نہ ماند

ہمیں نالہ باقیست مسکین اسد را — بترسم کہ روزے ازیں ہم نہ ماند

سبحان الملک الذی لا عزلۃ پاک ہے وہ بادشاہ جس کو کوئی معزول نہیں کرسکتا

بیفشاں جرعۂ بر خاک حال شوکتِ او بین
کہ از جمشید و کے خسرو ہزاراں داستان دارد

قدیم دستور ہے کہ کوئی اچھی چیز جب کھائی جاتی ہے تو اس میں سے تھوڑی سی زمین پر گرادی جاتی ہے اس سے یہی منشا ہے کہ ہر بہترین چیز کا انجام فنا ہے۔

خود نوید زندگی لائی قضا میرے لئے
شمع کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لئے

سکندر ذوالقرنین بھی دنیا کے عظیم الشان فاتحوں میں سے تھا جس کو ملک بابل میں پہونچکر ایک عجیب وغریب غار کا پتہ چلا اور وہاں پہونچکر اوس نے آثار قدیمہ کی بہت کچھ حیرت انگیز نشانیاں دیکھیں۔ سکندر وہاں کی ہر چیز کو بغور دیکھتا رہا آخر کار اوس کی نگاہ غار کے دروازے پر پڑی جس پر سریانی نقوش میں لکھا تھا کہ اے تمنا اور خواہشوں کے دلدادہ اور فنا سے بچکر چلنے والے یاد رکھ کہ میں بھی جلیل القدر اپنے زمانہ کا بادشاہ تھا مگر با ایں ہمہ دنیا سے نامراد گیا۔ اندر جا کر سکندر نے اوس کے تابوت کو دیکھا جس کے اوپر ایک تختی پر یہ عبارت کندہ تھی۔ میری تمام زندگی کا وقت مبارک گذرا اور حوادث زمانہ سے محفوظ رہا۔ میری عظمت اور جلال کا ستارہ زیادہ سے زیادہ بلند تھا لیکن آہ اس وقت اے دیکھنے والے خاک کی طرح تیرے قدموں پر پڑا ہوا ہوں۔

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

مسٹر ہبڈ سٹیٹ جانسن گافنبل کا ترجمہ کر رہا تھا کہ موت کا

وقت آپہونچا اوس نے اپنے سکرٹری سے جلد جلد بولنا شروع کیا لیکن اوس کی نازک حالت دیکھ کر سکرٹری نے کہا کہ بس اب خاموش ہوجایئے کیونکہ زندگی کا باب ختم ہوچکا اوس نے کہا کہ تو سچ کہتا ہے اور دُنیا سے رخصت ہوگیا۔

کوئی لکھتے لکھتے مرگیا کسی کے پریشان اوراق اوس کے بستر مرگ پر پڑے ہوئے ملے کسی نے اپنی پیاری بیوی دوست یا ماں باپ کے ہاتوں میں جان دی کوئی ملایم اور نرم نرم مخملی بستر پر مرا۔ کسی خانماں برباد غریب الوطن کے ہڈیوں کے ڈھیر پہاڑوں اور ویراں مقامات میں پڑے ہوے دستیاب ہوئے لیکن عمر جاویدکسی کو بھی نصیب نہ ہوئی۔

چو آہنگ رفتن کند جان پاک

چہ بر تخت مردن چہ برروے خاک

اصلیت یہ ہے کہ جگہوں کے مرنے میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ آخرت کو سب جگہ سے ایک ہی راہ گئی ہے۔ اگر ہر ایک کو مرنے کا یقین کامل ہوجائے تو دُنیا کے معاملات ہی درہم برہم ہوجائیں اور اپنا اپنا کفن بغل میں دبا کر ہر شخص قبرستان میں بیٹھکر موت کا انتظار کرنے لگے۔ پھر کیسی محبت کس کی عداوت کہاں کی نخوت۔ کیا غرور۔ کیسی آزادی۔ نہ یہ سر ہو نہ یہ سودا۔ نہ وہ ساقی ہو اور نہ اس بزم عشرت کی یہ چہل پہل ہر طرف اداسی اور افسردگی چہا جائے لیکن ایسا ہونے ہی کیوں لگا تھا۔

تیرا میکدہ سلامت ترے خم کی خیر ساقی

مجھے کیوں نشہ اُترتا مجھے کیوں خمار ہوتا

حکما یونان میں سے کسی کو اپنے علم و کمال کی بنا پر یہاں تک زور پیدا ہوا کہ موت سے بچنے کی تدبیر سوچی اور اپنی ہی شکل کا ایک بت تیار کیا اور موت کے انتظار میں اپنی ہی ویسی ہی شکل بنا کر بت کے قریب جا بیٹھا تا کہ ملک الموت کو دھوکے میں ڈالدے اور موت کا مقررہ وقت ٹل جائے۔ بات تو دراصل نادانوں کے پھسلانے اور بچوں کے بہلانے کی ہے لیکن عقلمندوں کے واسطے بھی ایک کارآمد اشارہ ہے الغرض ملک الموت نے اپنے وقت پر پہونچکر اوس حکیم کی جو لقمان کے نام سے مشہور تھا روح قبض کرنے کا ارادہ کیا مگر دونوں کو ایسا ایک دوسرے سے مشابہ پایا کہ اصلی اور نقلی لقمان میں کوئی تمیز ہی نہ ہو سکی۔ فی الفور جا کر اللہ میاں سے یہ سب ماجرا بیان کیا۔ حکم ہوا کہ تم پھر جاؤ اور بآواز بلند کہو کہ اے حکیم حقیقت میں تیرا کمال قابل تعریف ہے لیکن ایک ذرا سی کسر باقی رہ گئی جس کی وجہ سے اصلی لقمان شناخت ہو جاتا ہے پس جو لقمان اصلی ہوگا وہ پوچھے گا کہ وہ کیا کسر ہے پس جو یہ کہے اوسی کی روح قبض کر لینا اور کہہ دینا کہ یہی کمی (بولنے کی) ایسی ہے جس کو تو پورا نہ کر سکا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حکیم کی روح قبض کر لی گئی۔

جان ہی لینے کی حکمت میں ترقی دیکھی
موت کا روکنے والا کوئی پیدا نہ ہوا

بحث اس سے نہیں ہے کہ قصہ سچا ہے یا جھوٹا لیکن نفس معاملہ برا نہیں ہے اگر غور کیا جاوے۔ تو یہ ہمارے حقیقت شناسی کا ایک سبق ہے۔ کیونکہ انسان کی عقل اوس کی کمال حکمت اور اعلیٰ دانائی

اور ہر قسم کے فلسفے سب اسی مقام پر ختم ہو جاتے ہیں ذرا وقت آجانے دیجئے پھر دیکھئے اوس کے واسطے کیا کیا بہانے پیدا ہو جایا کرتے ہیں چھینک آئی ذکام ہوا بخار چڑھا اور رخصت ہو گئے۔ کوئی ایک بیماری ہو تو بیان کی جاوے جان لینے کا کوئی ایک معیار ہو تو اوس کا خاکہ کھینچا جاوے۔ نہ تو محکمہ حفظان صحت موردالزام ہے اور نہ کالرا اور پلیگ۔ حقیقت میں موت کے سو بہانے ہیں۔ ایک جان توڑنے والے کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ یہ ہیں کہ "جو موت کی کڑی گھاٹی سے گذرا بس اُسی نے موت کو جانا کیونکہ جس پر گذرتی ہے وہی جانتا ہے"

کتنی باتیں ہم اس دورِ فنا میں ہو چکیں
ابتدا میں کتنی داخل انتہا میں ہو چکیں
سوچ تو دل میں تو اے مصروفِ حال صبح و شام
کتنی صبح ہو چکیں اور کتنی شامیں ہو چکیں؟

جب انسان کو عالم مشقت سے عالم راحت کی طرف جانا ہو اور فنا سے عالم بقا کی طرف پرواز کرنا ہو تو اوس کا کیا کہنا ہے۔ لذات دُنیا میں پھنسکر طویل عمر کا خواہشمند ہونا تو دُنیا داروں کا ایک خاص مذاق ہے لیکن ایک دیندار کا عمل ہر گھڑی کل متاع الدُنیا قلیل پڑھتا ہے اور وقت کو بیکار باتوں میں ضائع نہیں کرتا وہ چاہتا ہے کہ نیک کام آج ہی کر لوں کل کی کسے خبر ہے۔ سچ ہے عاشق خدا کی تربت قفس خاک نہیں بلکہ عالم پاک ہے۔

حافظ صبور باش کہ در راہِ عاشقی
کس را کہ جان نداد بجاناں نمی رسد

اے دھرتی ماتا تو طرح طرح سے نوآموز اور ناتجربہ کاروں کے دلوں کو موہ لیتی ہے کیونکہ وہ اوس کی ماہیت کے سمجھنے سے قاصر ہیں کہ یہ سب طلسمات تیری عیاری کا ایک جال ہے اور اس کی گلکاریاں اوس کے پھندے ہیں کہ جو پھنسا وہ پھنسا وہ سادہ لوح طالب علم جنھوں نے روحانیت کا ایک سبق بھی نہیں پڑھا وہ غریب ان سب باتوں کو کیا جانیں کہ یہ سب کیا طلسمات ہے۔ دن میں تو بظاہر آنکھیں کھلواتی ہے لیکن عقلوں پر پردے ڈالدیتی ہے اور شب کے آخری سُہانے وقتوں میں جن میں تیرے رازوں کا پتہ چلتا ہے تھپک تھپک کر سلاتی ہے البتہ جن کو پتہ چلگیا وہ یہی کہتے ہوئے چلے گئے۔

بس کہاں تو مت فریب ہستی
ہر چند کہے کہ ہے۔ نہیں ہے

ہستی کے معنے اوس چیز کے ہیں جو "ہے" چونکہ یہ کل ہستی فانی ہے اس لئے اوس کا وجود گویا "نہیں" مانا گیا ہے۔ آج جن کھنڈروں اور ویرانے مقامات میں نظر جاتی ہے وہ تیری جادوگری کے کرشمے ہیں ان کے دردناک افسانوں کو اگر کان لگا کر سنا جائے تو معلوم ہوگا کہ تیرے ہی جور و ستم کے شکار ہیں اور کیسے کیسے ارمان بھرے دل لیکر ناامید چلے گئے نہ معلوم وہ کس عالم میں ہیں ذرا تو ان سے پوچھنے کی مہلت تو دے۔

کہو یاران عدم کیا گذری
کچھ لب گور سے فرمائیے گا

کل نفس ذائقۃ الموت کے فرمان کو ذرا تو غور اور توجہ سے سننے دے اور ایک نوآموز طالب علم کو سمجھا لینے دے کہ

جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

نورجہاں کہتی ہے کہ آہ میری اجل آئی جس کا طفلی جوانی اور شہنشاہی کے ایام میں کبھی بھولے سے بھی خیال نہ آتا تھا مر جاؤں گی اور غریب محتاجوں کی طرح تنگ و تاریک گور میں چلی جاؤں گی جہاں نہ کافوری شمع ہوگی نہ پھولوں کی سیج۔

بر مزار ما غریباں نے چراغِ نے گلے
نے پرے پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

یہ کہہ کر کچھ سوچی کروٹ لی شال کو سمیٹا اور بھرائی ہوئی آواز میں لونڈیوں سے کہا کہ دیکھو میرا وقت آپہونچا کیا موت سب کو آیا کرتی ہے کیا مرنا ہر جاندار کو لازمی ہے کل نفس ذائقۃ الموت میں کیا میرا نفس بھی شامل ہے یہ کہا اور رخصت ہوگئی۔

ہوش کل جاتا ہوا اپنا بیاباں کیطرف
واں نظر آیا ہمیں ایک کاسۂ سر نقشدار

پاس جاکر میں نے جو دیکھا نہایت غور سے
تھے منقش اسمیں یہ دو شعر با خط غبار

یا تو تھے ہم ساقیٔ بزم بتاں مست دہر
یا یہ اب ہے کاسۂ سر اپنا جائے مور و مار

اے برادر اپنا وہ آغاز یہ انجام ہے
چاہو تم غافل ہو دنیا میں چاہو ہوشیار

بعض مرنے والے بادشاہوں نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی ہے کہ ہم تنہا آئے تھے اور تنہا ہی جائیں گے البتہ جو دم بلا یاد الٰہی کے گذرا اسکا افسوس ہے۔ زندگی ناپائدار ہے دم گذشتہ کا کوئی نشان باقی نہیں رہا اور آئندہ کی امید عبث ہے ایک بادشاہ نے مرتے وقت کہا کہ مجھے اسوقت کچھ خبر نہیں ہے کہ میں کون ہوں۔ اللہ میرے ہی گھر میں تھا

مگر یہ اندھی آنکھ اوس کو نہ دیکھ سکی - میں اپنے ساتھ کچھ نہیں لایا تھا مگر گناہوں کا بہت کچھ بوجھ اپنے ساتھ لئے جاتا ہوں - جو تھوڑا بہت سہارا اب باقی ہے وہ اوس کی بخشش کا ہے اللہ وبس باقی ہوس -

خلفائے عباسیہ میں سے ماموں رشید جو کہ ربیع الاول ۱۷۰ھ میں پیدا ہوا اور ۱۸ رجب ۲۱۸ھ میں وفات پائی - موت سے پہلے اس الوالعزم بادشاہ کے دل میں بہت سے پرفخر خیالات موجزن تھے - لیکن سچ ہے زمانہ کسی کی سب آرزوئیں پوری نہیں ہوئے دیتا موت نے یہ پیغام سُنا کر جتا دیا کہ اب میری حکومت ہے ایک دن وہ اپنے بھائی معتصم کے ساتھ نہر بدندون کی سیر کو نکلا پانی نہایت صاف تھا اور چمکتی ہوئی لہروں کی حرکت عجیب دلفریب سماں پیدا کر رہی تھی ماموں اور معتصم دونوں ایک کنارے پر دریا کے بیٹھ گئے اور پاؤں لٹکا دئے سعد قارمی ماموں کا خاص ندیم تھا ماموں نے اوس سے مخاطب ہو کر کہا کہ پانی کیسا شفاف اور سرد ہے اس پر غذا کیا ہو سعد نے جواب دیا کہ حضور خود ہی بہتر فرما سکتے ہیں - ماموں نے اذاذ کی کھجوروں کی فرمایش کی کہ اِتنے میں اتفاق وقت سے ڈاک آئی جس میں اذاذ کی کھجوریں ہی تھیں - سب کو حیرت ہوئی اور بڑے شوق سے کھائی گئیں - نہر کا سرد پانی پیا لیکن جب اوٹھے تو حرارت محسوس ہوئی اور قیام گاہ پر پہونچتے پہونچتے ماموں کو شدید بخار ہو گیا اور اسی مرض میں انتقال کیا - مرنے سے تھوڑی دیر پہلے تمام افسران فوج - علماء - قضاۃ اور خاندان شاہی کو بلا کر اپنے گرد جمع کیا اور نہایت موثر الفاظ میں یہ وصیت کی -

مجھ کو اپنے گناہوں کا اقرار ہے اور بیم و امید مجھپر دونوں طاری ہیں لیکن

جب میں خدا کے عفو کا خیال کرتا ہوں تو امید کا پلہ گراں پاتا ہوں۔ جب میں مر جاؤں تو مجھ کو اچھی طرح پر غسل دینا اور وضو کرانا کفن بھی صاف ہو پھر خدا کی حمد وثنا پڑھ کر مجھے تابوت پر لٹانا اور تدفین میں جہاں تک ہو سکے جلدی کرنا۔ جو رشتہ میں سب سے قریب ہو وہ نماز پڑھا دے او مجھ سے محبت کرنے والا قبر میں اوتارے پھر قبر کو برابر کر کے چلے آنا اور مجھکو میرے اعمال کی سپرد کر دینا۔ اگر ہو سکے تو بھلائی سے نام لینا ورنہ خاموش رہنا کیونکہ برا کہنے والے سے مواخذہ ہوگا کوئی شخص بھلا کر نہ رد ے۔ (ابو اسحاق اوس کے جانشین کا نام تھا) اوس سے کہا کہ میرے سامنے آ اور میرے اس حال زار سے عبرت حاصل کر تو جب بادشاہ ہو تو اوس شخص کی طرح رہنا جو مواخذہ الٰہی سے ہر وقت ڈرتا رہتا ہے رعایا کی بھلائی کا خیال سب پر مقدم رکھنا زبردست عاجزوں کو نہ ستانے پاویں۔ ضعیفوں سے ہمیشہ محبت اور نرمی سے پیش آنا۔ جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں اون کی خطاؤں سے اغماز کرنا اوس کے بعد قرآن شریف کی چند آئتیں پڑھیں کہ غش سا آگیا ہوش آیا تو آسمان کی طرف دیکھا اور آبدیدہ ہو کر کہنے لگا کہ اے وہ جس کی سلطنت کو کبھی زوال نہیں ہے اوس پر رحم کر جس کی سلطنت زائل ہو رہی ہے اور دنیا کو الوداع کہتا ہوا رخصت ہو گیا۔

دنیا کی کیا حقیقت اور ہم سے کیا تعلق
وہ کیا ہے ایک جھلک ہے سمجھ کیا ہیں ایک نظر ہیں

سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح ارض مقدس بڑا جانباز اور مستقل مزاج نہ صرف بادشاہ بلکہ ایک سپاہی تھا اوس کی تلوار سے کہیں پناہ نہ

ملتی تھی۔ صلیبی جنگوں کے زمانہ میں اوس نے تمام یورپ کی متفقہ فوجوں کا شیرازہ پراگندہ کردیا تھا پرانی دنیا کے سلاطین اوس سے کانپتے تھے آخر زمانہ میں جو کچھ اوس نے کیا وہ اس امر کا عمدہ ثبوت ہے کہ دنیا اوس کی نظروں میں کس قدر بے ثبات تھی جب وفات کا وقت قریب پہونچا تو اپنی گذشتہ شان شوکت کی ایک تصویر اوس کی نگاہوں میں پھر گئی اور وہ خیالات میں محو ہو گیا۔ جب کچھ ہوش آیا تو اوس نے حکم دیا کہ میرا کفن تیار کرو اور میرے سامنے لاؤ اس حکم کی تعمیل کی گئی تب اوس نے اپنا جھنڈا طلب کیا جس کے سایہ میں اوس کی فاتح اور غیر مفتوح فوج نے اکثر سیکڑوں مقامات فتح کئے تھے جب وہ جھنڈا اوس کے سامنے لایا گیا تو صلاح الدین نے اوس کو بغور دیر تک دیکھا اور کسی قدر تبسم کے ساتھ اوسکا ریشمین پھریرہ اُتروایا اور اوس کی بجائے اوس پر اپنا کفن چڑھوایا پھر کچھ دیر تک ٹکٹکی باندھ کر اوس عبرت ناک منظر کو دیکھتا رہا اور حکم دیا کہ منادی کرنے والے اور مرثیہ خواں دمشق کے ہر گلی کوچہ میں اوس کفن بندھے ہوئے جھنڈے کو لیکر گشت کریں اور پکار پکار کر اس بات کا اعلان کریں کہ زبردست صلاح الدین کے پاس اب صرف یہی باقی رہ گیا ہے جس کو وہ اپنے ساتھ لیجاویگا۔

از بیابانِ عدم تا سرِ بازارِ وجود
بتلاشِ کفنِ آمدہ عریانے چند

جس وقت یہ عجیب و غریب جلوس دمشق کے عظیم الشان شہر میں گشت لگا رہا تھا تو عبرت کی گویا مجسم تصویر تھی جو ہر شخص کے دل سے بے اختیار آنسو کھینچ کھینچ کر لا رہی تھی اور کوئی دل ایسا نہ تھا جو

متاثر نہ ہوا ہو تمام شہر میں ایک سناٹا اور ہو کا عالم تھا آفتاب کے غروب اور ستاروں کے نمودار ہوتے ہی صلاح الدین کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔

اے اپنے آپ کو دھوکا دینے والے نادان بشر جس صحت تندرستی اور قوت پر تجھ کو ناز ہے موت کا ایک جھٹکا بھی تو برداشت نہیں کر سکتا جس ہستی پر تو بھولا ہوا ہے شاید تیرا انمول صحت اور جوانی ہو لیکن ان سب کے فنا کرنے والی چیزیں افلاس۔ علالت اور عالم پیری بھی چولی دامن کی طرح ساتھ ساتھ لگی ہوئی ہیں اور سب پر غالب وہ موت ہے جس کو نہ تو عاجزی پر بھی رحم آتا ہے اور نہ شاہانہ دبدبہ اس کو خوف زدہ بنا سکتا ہے۔ نہ زر و جواہر یاقوت اور الماس کی وہ لالچی ہے وہ جس آزادی سے ایک بیوہ بڑھیا کے شکستہ جھونپڑے میں چلی جاتی ہے اسی طرح بلا روک ٹوک ایک شاہی قصر و ایوان میں داخل ہو کر اپنا کام ٹھیک وقت پر کر گذرتی ہے اوس کے نزدیک یتیم بچے بیوہ ضعیف سب یکساں ہیں۔ آرزو اور تمناؤں کی دشمن ہے عیش و راحت کا اوسکو مطلق احساس نہیں۔ رحم۔ مروت ہمدردی ان سب سے بیگانہ وش ہے کمزور اور قوی سب کے واسطے اوسکا پنجہ غضب سخت ہے کبھی ننھی سی جان چیونٹی کو مسل دیتی ہے کبھی ہاتھی اور شیر سے قوی جانور کو ایک ہی تھپڑ میں گرا کر پیوند خاک کر دیتی ہے کبھی ریل جہاز اور بڑی سے بڑی چیز کے ایک ہی ٹھوکر میں پرخچے اڑا دیتی ہے اوس کی قوت بے حد ہے اوس کی رفتار بجلی کی رفتار سے کہیں زیادہ تیز ہے اور یہ دنیا اوس کی جولانگاہ ہے اپنے آپ کو چھپانے

کے لئے وہ طرح طرح کے روپ بناتی ہے کبھی راستے کا پتھر بنکر راہگیروں کو ٹھوکریں کھلواتی ہے اور اسی میں اون کی جان لے لیتی ہے کہیں برق بنکر کالے بادلوں میں تڑپ اور کرخت آوازوں کے ساتھ نمودار ہوتی ہے اور جلاکر خاکستر کرڈالتی ہے۔ کہیں سانپ بچھو اور بہائی کے زہریلے کیڑوں کی شکل اختیار کرتی ہے اور ہوا میں زہریلا اثر پیدا کر دیتی ہے کبھی مرض بنکر جسم میں سرایت کرتی ہے کبھی قبا کا جامہ پہنا کر گور تک پہونچا دیتی ہے غرضکہ کوئی ایک روپ اور شکل ہو تو بتلائی جاوے۔ اے موت نہ کسی سے تیری دوستی ہے نہ دشمنی تاجداروں کے سر کے تاج چھین کر مفلس اور ایک مفلس کے سر پر تاج رکھہ کر شہنشاہ کا مرتبہ دیتی ہے غرضکہ فنا کا سبق دنیا کو یاد کرانا تیرا حصہ ہے قانون قدرت کے بہت کچھہ تماشے ہماری نگاہوں میں ہیں۔ سورج چاند ستاروں اور سیاروں کے اپنے اپنے وقت پر نکلنے کا حال ہمیں معلوم ہے موسموں کے تغیر تبدل کے آثار بہی ہمیں بتلائے گئے ہیں مگر اے موت تیری آمد کا کوئی وقت معین نہیں۔ کیسے کیسے پری جمالوں کو تونے گور کے تنگ و تاریک غاروں میں سلا دیا جن کے عالیشان محلوں میں گیس اور بجلی کے لیمپ جگمگاتے تھے۔ تونے اون ماہ وشوں کو منوں خاک کے تودوں میں دبا دیا جن کی لطافت اور نزاکت گرد و غبار کے ایک ذرے کا بھی بار گراں اپنے دامن پر دیکھنا گوارہ نہ کرسکتی تہی۔

الغرض فنا اور بقا کی اس دشوار گذار گھاٹی کو عبور کرکے یہ ناتجربکار مسافر جس نے اب زمانہ کے بہت کچھہ نشیب و فراز دیکھہ لئے ہیں

بالآخر اوس مقام پر پہونچ جاتا ہے جس کے قریب ہی سے سرور دائمی اور لطف روز افزوں کی بھینی بھینی خوشبوئیں آنے لگتی ہیں اوس کو اس بات کا بھی یقین ہو جاتا ہے کہ مقام مقصود کا ہاتھ آنا زیادہ دشوار نہیں ہے بشرطیکہ اوس کا کرم شامل حال ہو۔

رب سے دھیان لگا تو مورکھ آج سے ہی نیکی کر دیکھ
دوزخ بھی ہے جنت بھی ہے محشر بھی ہے مر کر دیکھ

اے بغیر بیداری کی نیند۔ بیماروں کا آرام۔ پیوند خاک کی ملانے والی عمارت کی ویرانی۔ اصلی عنصر کی طرف رُخ کرنے والی تونگروں کی ہیبت بے نواؤں کی آرزو۔ جان کا سفر حقیقی مسافر کی رہنما۔ پائی ہوئی چیز کی گم کرنے والی۔ خدا کا حکم۔ انتقال کی ریل گاڑی۔ گمراہوں کا سبق۔ عاشقوں کی روح رواں! فنا کا سبق۔ مغروروں کے شکنجے ڈھیلے کرنیوالی مشین۔ خدا کا قایل کرنے والے پیغام۔ شیدائیوں کی آرزو۔ کشتگان خنجر تسلیم کی تمنا۔ سپاہی کی تلوار۔ توپ سے نکلے ہوئے گولے۔ بہشت اور دوزخ کا راستہ بتلانے والی راہ۔ خدارا ذرا تو دیکھ بھال کر جان نکال اپنا پنجۂ غضب کچھ تو ملایم کر کہ ماؤں کی گود اور نرم نرم بستروں میں آرام سے سونے والے ان ننھی ننھی جانوں کی ملایم ملایم ہڈیاں پسی جاتی ہیں

تیز رفتار نہ ہو اسقدر اسے موج فنا
تجھ میں کچھ ذری ہوا سے ہیں اُبھرنے والے

اے موت تو جان لینے کا کوئی تو معیار مقرر کر اور ایسے پھول جن جن کی پتیاں مُرجھا کر گرنے والی ہوں نہ اون کو جو ابھی پوری طرح پر کھلنے بھی نہیں پائے۔ حقیقت میں تو بڑی ظالم اور بے درد ہے۔ محبت اور وصال کو

دیکھ کر تیری آنکھیں سُرخ ہو جاتی ہیں۔ چہرہ مارے غصے کے تمتما اُٹھتا ہے اور شمشیرِ بُراں لیکر فوراً دَوڑ پڑتی ہے اور اچانک کام کر جاتی ہے بنا بنایا کام بگڑ جاتا ہے سینکڑوں کو بلکتا چھوڑتی ہے اور بیوہ اور یتیم کا جگر خراش لقب دے جاتی ہے۔ سنگدلی تیرا کام ہے۔ شدید تکلیف اور اذیت سے پیاس اور بھوک سے تڑپا تڑپا کر مارتی ہے۔ تیری صورت ڈراؤنی اور تیرا نام ہیبتناک ہے۔ خدا کے لئے ذرا آسان ہو جا اور پنجۂ غضب ملائم کر للّٰہ رحم کر کہ بڑے ناز و نعم کا پلا ہوا ہوں۔ امید نہ مٹا۔ تمناؤں اور آرزوؤں کا خون نہ بہا۔ ذرا تو دم لینے دے۔ میرا حلق خشک ہو گیا ہے ایک گھونٹ پانی پی لینے دے۔ اُف اُف تیرا ظلم خیال اور گمان سے بھی باہر ہے۔ دم گھٹتا ہے۔ سر چکراتا ہے۔ بدن میں سنسناہٹ ہے۔ دل ہاتھوں اُچھل رہا ہے۔ یہ سامنے کون کھڑا ہے۔ کیا میری ضعیفہ ماں۔ خدارا اِس کے ٹمٹماتے چراغ کو گُل نہ کر اِس کے قصرِ امید کو نیست و نابود نہ کر۔ یہ نرم اور ملائم ہاتھ میرے سینہ پر کس کا ہے۔ کیا میری رفیق بیوی کا۔ خدارا مجھے اس مظلوم سے کچھ کہہ لینے دے۔ اگر تیری یہی مرضی ہے تو دم نکال مگر تسلی دے کر دلاسے اور پیار سے۔ آرزوؤں کو دیکھ بھال کر۔ رشتۂ الفت کو ایسی بُری طرح مت توڑ دیکھ یہ معصوم صورتیں جن کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھا ہوا ہے کس حسرت و یاس سے اپنے باپ کو دم توڑتے ہوئے تک رہے ہیں۔ دیکھنا سنبھالنا رشتۂ الفت کی کڑیاں ٹوٹی جاتی ہیں اور پھول بکھرے جاتے ہیں۔

شرابِ تلخ صوفی سوز بنیادم نہ خواہد برد
لبم بر لب نہ ساقی و بستان جانِ شیرین من

(صوفی سوز اور تلخ شراب میری بنیاد کو نہیں ڈھا سکتی اگر واقعی جان ہی لینا مقصود ہے تو اپنا لب میرے لب پر رکھ دے) ارے دیکھتے دیکھتے یہ سب کیا ہو گئے مکان تنگ و تاریک کیوں ہے کچھ توشۂ سفر تو ساتھ رکھ لینے دیا ہوتا تیرا خونی ڈراؤنا چٹیل میدان میری نگاہوں کے سامنے ہے آہا۔ اب اے موت میں نے تجھے پہچانا تیری حقیقت کو جانا تو در اصل فراق ہے اب تو تیری ضد پوری ہو گئی اچھا یہ لے چل دور ہٹ جا میرا خوف جاتا رہا تیرے اس روپ بھرنے پر مجھے اب ہنسی آتی ہے۔ بھولے بھالے تجھ سے ڈر جاتے ہوں گے میری روح اور پاک روح تیرے پنجۂ غضب سے اب کوسوں دور ہے اور میرا رشتۂ حیات اب اوس مقام سے وابستہ ہے جہاں میں بہت اعلیٰ چیز ہوں۔

در دو جہانش مکان نیست کہ از کانی ہست

کان دے از معرفت ست جائے دے از لامکاں

لے یہ مادی کائنات اپنے پاس رکھ ان سڑنے گلنے والی ناپاکیوں سے مجھے گندہ مت کر میرا چشمۂ حیات لامنتہی ہے۔ میرا وجود غیر فانی ہے میری ہستی اب خیالی نہیں رہی۔ میرے جسم نے فنا ہو کر روحی جامہ پہن لیا اور روح نے فنا ہو کر عشق الٰہی کی شکل اختیار کر لی اب میں نورانی جامہ میں ہوں اور یہ نور العلیٰ نور ہمیشہ ہمیش اسیطرح تاباں اور درخشاں رہیگا۔ میرا دامن اب گرد آلود نہیں ہو سکتا میری حسن و خوبی لازوال ہے میں سرور دائمی اور سکون ابدی ہوں اور تو محض ایک فرضی خوف اور خیالی دھوکا ہے۔

نظر عشق میں تھی زندگی و موت اکبر

اضطراب نفس چند سکونِ ابدی

زندگانی بھر میں خود ہی بلا تھی میں نہ تھا
یا کسی جادو نفس کی ایک ادا تھی میں نہ تھا
پردۂ ہستی یہاں فرقت کا باعث تھا کہاں
درمیاں دونوں کے تھوڑی سی حیا تھی میں نہ تھا

ایک آخری خواب کی کہانی

صبح گذری شام ہونے آئی میر
تو نہ جاگا اور بہت دن کم رہا

برس کی رات کو ایک بڈھا اپنے تاریک گھر میں اکیلا بیٹھا ہے رات بہی ڈراونی اور گھٹا چہائی ہوئی ہے بجلی کبھی تڑپتی ہے اور بادل گرجتا ہے آندہی بہی زور و شور سے چل رہی ہے جس سے اوس بڈھے کا کمزور دل کانپا جاتا ہے۔ بڈھا نہایت غمگین ہے لیکن اوسکا غم نہ آندہی کی گونج اور برس کی آخری رات کی وجہ سے ہے بلکہ وہ اپنے پچھلے زمانہ کو یاد کرتا ہے اور جسقدر واقعات اوس کو یاد آتے ہیں اُسکا غم بڑہتا جاتا ہے۔ ہاتوں سے ڈھکے ہوئے منہ پر آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھا ہوا ہے اور پچھلا زمانہ اوس کی نگاہوں میں چکر لگا رہا ہے اپنا لڑکپن اوس کو یاد آتا ہے جبکہ اُسکو کسی چیز کا غم نہ تھا اور نہ کسی بات کی فکر تھی روپیہ اور اشرفی کے عوض اوس کو ریوڑی اور مٹھائی اچھی معلوم ہوتی تھی سارا گھر ماں باپ بھائی بہن اوس کو دل سے پیار کرتے تھے اور ہر وقت اوسکا دل ہاتھوں میں رکھتے تھے پڑھنے کے وقت چھٹی کی خوشی میں کتابیں بغل میں دبا کر مکتب کو چلا جاتا تھا۔ مکتب کا خیال آتے ہی اوس کو اپنے ہم جلیس یاد آتے تھے وہ اور بھی زیادہ غمگین ہوتا تھا اور کبھی کبھی بے اختیار چلا اٹھتا تھا کہ ہائے وقت ہائے گذرے ہوئے زمانہ اب تجھے کہاں پاؤں افسوس

کرمیں سے بفقیری بہت دیر میں قدر کی۔ اپنا سرخ سفید چہرہ۔ سڈول ڈیل ڈول بھرا بھرا بدن۔ خوش نما آنکھیں۔ موتی سے دانت۔ اُمنگ بھرا دل جذبات انسانی کے جوشوں کی خوشی اوسے یاد آتی تھی اس اندھیرا چھائی ہوئی آنکھوں میں جبکہ زمانہ دھندلا نظر آنے لگتا ہے اوس سین کی بھی ایک جھلک دکھلائی دے جاتی ہے جبکہ ماں باپ اوسکو نصیحت کیا کرتے تھے اور نیکی اور خدا پرستی کی باتیں اوسکو بتلایا کرتے تھے۔

جوانی میں عدم کے واسطے سامان کر غافل

مسافر شب سے اوٹھتے ہیں جو جانا دور ہوتا ہے

اور یہ اپنے دل ہی دلمیں کہا کرتا تھا کہ "ابھی وقت بہت ہے" اوسکو اس عالم پیری کا اوسوقت احساس بھی نہ ہوتا تھا وہ بوڑھے آدمیوں کو دیکھکر سرسری طور پر خیال کر لیتا تھا کہ یہ اسی طرح پیدا ہوئے ہیں اور اون کی خلقت اور پیدایش کچھہ اور ہی ہے۔ اونکی نصیحتوں کا دلپر مطلق اثر نہ ہوتا تھا اب اوس کو یہ سب باتیں یاد آ آکر افسوس ہوتا ہے۔

مری عمر رفتہ یہ کیا کر گئی تو — مرے ساتھ ملکر دغا کر گئی تو
مجھے چھوڑ کر ہوا لی تو نے اپنی — رفاقت کا حق خوب ادا کر گئی تو
تری یاد سے دلپہ لگتے ہیں چرکے — یہ مجھپر نرالی جفا کر گئی تو
یہ رہ رہ کے پچتاوا آتا ہے ہردم — کہ رسوا مجھے جابجا کر گئی تو
تھیں یاد بچپن کا مجھ کو زمانہ — بہت جلد نشو و نما کر گئی تو
بڑھی جتنی اُتنی ہی گھٹتی رہی ہر — مگر یہ تماشا نیا کر گئی تو
تجھے ڈھونڈکر اب میں لاؤں کہاں سے — بتا بھی نہ اپنا بتا کر گئی تو
پھسایا ہے دُنیا کے جھگڑوں میں مجھکو — یہ برتاؤ مجھ سے بُرا کر گئی تو

الگ ہو گئی مجھ سے آکر جبا نیں ‏ ‏ وفا خوب اے بے وفا کر گئی تو
عدم کو روانہ ہوئی مجھ سے پہلے ‏ ‏ عبث اپنی ہستی فنا کر گئی تو
اوٹھاتا ہوں صدموں پہ صدمے ہزاروں ‏ ‏ مجھے رنج میں مبتلا کر گئی تو
کہا عمر رفتہ نے یہ سُن کے مجھ سے ‏ ‏ ذرا پھر تو کہنا کہ کیا کر گئی تو
کئے جرم خود اور کہتے ہو مجھ سے ‏ ‏ بھلا کر گئی تو بُرا کر گئی تو
حقیقت میں تیری خطا کچھ نہیں ہے ‏ ‏ کہ جو کر گئی تو بجا کر گئی تو
گنہگار کا ساتھ دینا تھا مشکل ‏ ‏ تجھے شرم آئی حیا کر گئی تو
نصیحت سے خالی نہیں تیرا جانا ‏ ‏ کہ تاکید حد سے سوا کر گئی تو
سمجھ جائیں گر عقل رکھتے ہوں دل میں ‏ ‏ سبق ہم کو ایسا پڑھا کر گئی تو
جو ہم اب بھی تائب ہوں افعال بد سے ‏ ‏ تو گویا ہمیں پارسا کر گئی تو
رہیگا ہمیں یاد تیرا یہ احسان ‏ ‏ کہ تاکید یاد خدا کر گئی تو

یہ کہکر بڈہا اپنی جگہ سے اوٹھا اور ٹٹول ٹٹول کر کھڑکی تک پہونچا۔ کھولکر دیکھا کہ رات ویسی ہی ڈراونی اور اندھیری ہے بجلی کی کڑک سے دل کانپتا ہے ہولناک آندھی بدستور چل رہی ہے خشک پتوں کی کھڑکھڑاہٹ کی آوازیں آرہی ہیں کہ اتنے میں ایک درخت ٹوٹکر گرا اور اوس کی آواز سے یہ چلا کر کہنے لگا کہ افسوس کیا میری گذری ہوئی زندگی ایسی ہی ڈراونی ہے جیسی کہ یہ رات۔ یہ کہکر اوسنے اپنے ضعیف اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کھڑکی پھر بند کردی اور اپنی جگہ آن کر بیٹھ گیا۔ تب اوس کو اپنے ماں باپ بھائی بہن دوست آشنا یاد آئے جن کی ہڈیاں گل سڑ کر خاک ہو چکی ہیں۔

گفتم کہ تو اے عمر چرا زود برفتی ‏ ‏ گفتا کہ فلانے چہ کنم عمر ہمیں بود

وہ عالم خیال میں کیا دیکھتا ہے کہ ماں گویا محبت سے اسکو اپنی چھاتی سے لگائے اور آنکھوں میں آنسو بھرے کھڑی ہے اور کہہ رہی ہے کہ ہاے بیٹا وقت گذر گیا۔ باپ کا نورانی چہرہ اوس کے سامنے ہے اور زبان حال سے گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم تمہارے ہی بھلے کے واسطے کہتے تھے۔ بھائی بہن گویا دانتوں میں اونگلی دبائے خاموش عالم سکوت میں بت بنے سر جھکائے کھڑے ہیں۔ آنکھوں سے آنسو گر رہے ہیں دوست آشنا سب غمگین ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اس وقت ہماری مددگار گر نہیں ہو سکتی ہے۔ وہ سب باتیں اوس کے پیش نظر ہیں جو بے پرواہی۔ بے مروتی اور کج خلقی کے ساتھ اپنی ماں باپ بھائی بہن اور دوست احباب کے ساتھ کی تھیں۔ ماں کو رنجیدہ رکھنا باپ کا کہنا نہ ماننا۔ بھائی بہن سے لڑائی جھگڑے کرنا۔ دوست احباب کے ساتھ ترش روئی سے پیش آنا مظلوموں کی حاجت روائی نہ کرنا۔ ناکردہ گناہوں کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آنا۔ خدا کو دل سے بھلا دینا اور اس پر اون قبروں والی گلی ہوئی ہڈیوں کا بھی الٹی محبت سے دیکھنا یہ خیال اوس کے کمزور دل کو پاش پاش کئے ڈالتا تھا وہ اپنے دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ ہائے افسوس میں نے وہ سب کچھ کیا جو نہ کرنا تھا اب وقت نکل گیا اس کی تلافی کیونکر ممکن ہے۔؟

افسوس کہ نامۂ جوانی طے شد ۔۔۔ دیں تازہ بہار شادمانی طے شد

واں مرغ طرب کہ نام اوبود شباب ۔۔۔ فریاد کہ کے آمد و ندانم کے شد

پڑا پھر کھڑکی کی طرف دوڑا اور گرتا پڑتا کھڑکی تک پہونچا کھول کر دیکھا کہ کچھ ہوا ٹھیری ہے اور بجلی کی کڑک اور چمک کچھ تھمی ہے

لیکن رات ابھی ویسی ہی اندھیری اور ڈراؤنی ہے تاہم اوس کی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی اور اوس کو اپنے اُدھیڑپنے کا وہ زمانہ یاد آیا جس میں نہ وہ جوانی اور نہ اوس کے اندھے جوش وخروش باقی تھے تب اوس نے اپنے نیک کاموں کو یاد کرکے تسکین دینی چاہی جب کہ اوس نے بھوکوں کو کھانے کھلائے تھے مسجدیں اور کنوئیں بنوائے تھے مگر دل کی بیقراری اوس پر بھی کم نہ ہوئی کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اوس کی روحی قوت اور ذاتی اعمال ہی اوس کے ساتھ جانیوالے ہیں بھوکے پھر ویسے ہی بھوکے ہیں مسجدیں اور کنوئیں ٹوٹ پھوٹ کر کھنڈر ہو گئے ہیں وہ گھبرایا اور قادر مطلق سے مدد کا طالب ہوا۔

جہاں میں تو کار سے نکوئی رہے گا
نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا

کھڑکی کے کواڑ کھولے تو دیکھا کہ آسمان صاف ہے آندھی تھم گئی ہے گھٹا کی بجائے آسمان تاروں سے بھرا ہوا ہے اوس نے شکر کیا کہ یکایک آسمان میں اوس کو ایک روشنی دکھلائی دی اور اس میں اوس کو ایک نازنین مہ جبیں خوبصورت دلہن نظر آئی جو رفتہ رفتہ اوس کے قریب آگئی یہ اوس کے حسن وجمال کا شیدا اور فریفتہ ہو گیا۔ اوس بڈھے نے اوس سے ہمکلام ہو کر پوچھا کہ تم کون ہو۔ وہ دلہن بولی کہ میں ہمیشہ زندہ رہنے والی روح ہوں۔ بڈھا بولا کہ تمہارے تسخیر کا بھی کوئی عمل ہے۔ بولی ہاں ہے جو نہایت ہی آسان اور ایک لحاظ سے سخت مشکل ہے۔ میں صرف اوس شخص کو مل سکتی ہوں جس کے ایک ہاتھ میں دنیا کی کمائی اور دوسرے ہاتھ میں سفر

آخرت کا توشہ ہو اور اس طرح پر دین اور دنیا دونوں میں کامیابی حاصل کر چکا ہو۔

گفتم کہ نوش لعلت مارا بآرزو گشت
گفتا تو بندگی کن کان بندہ پرور آید

یہ پیارے اور مختصر جملے کہہ کر وہ حسین دلہن نظروں سے پوشیدہ ہو گئی اور بڈہے کی حالت زیادہ متغیر ہوئی کیونکہ ایک طرف تو وہ اوس کے جادو بھرے دلفریب حسن کا دلدادہ اور شیدائی ہو چکا تھا اور دوسری طرف اوس کے تسخیر کے عمل کے واسطے اوس کے دونوں ہاتھ خالی تھے اوس نے زور سے ایک چیخ ماری اور یہ کہہ کر بیہوش ہو گیا کہ ہائے گذرے ہوے زمانے کیا پھر بھی میں تجھے پا سکتا ہوں۔

آرزو ہے مجھے اوسکی جسے پا بھی نہ سکوں
وہ تمنا ہے جسے دلسے بہلا بھی نہ سکوں

اس حالت میں کچھ ہی دیر گذرنے پائی تھی کہ اوس کے کانوں میں (جو در اصل بڈہا نہ تھا بلکہ ایک کم عمر لڑکا تھا اور خواب میں وہ اپنے آپ کو بڈہا دیکھ رہا تھا) میٹھی میٹھی باتوں کی آوازیں آنے لگیں۔ اوس کی پیاری ماں اوس کے قریب کھڑی چٹاچٹ پیار کر رہی ہے اوس کا باپ اوس کے چھوٹے بھائی بہن اوس کے گرد کھڑے ہوئے ہیں۔ ماں کہہ رہی ہے کہ بیٹا آج تیری سالگرہ کا دن ہے کیا کوئی پریشان خواب دیکھا تھا جو ڈر گئے اور برس کے برس دن روتے ہو کیوں اسقدر بے چین اور بیقرار ہو جو ہچکی بندہی ہوئی ہے۔ دیکھو دن نکل آیا۔ اٹھو ہاتھ منہ دہو کر کپڑے بدلو۔ نوروز کی خوشی مناؤ۔ تمہارے بھائی بہن تمہارے

ئے منتظر کھڑے ہیں۔
تب وہ لڑکا یعنی خواب والا بڈہا سمجھا کہ یہ سب کچھ خواب تھا جس میں میں نے اپنے آپ کو بڈہا دیکھا تھا۔ اوس نے اپنے اوس خواب کا تمام وکمال ماجرا اپنی ماں سے بیان کیا۔ ماں بولی کہ بیٹا تمہارا خواب بہت ہی اچھا ہے۔ یہ نوروز کے دن کا خدا کی طرف سے تمہیں اعلی انعام ہے اور تعلیم غیبی ہے۔ شکر واحسان کے ساتھ اوس کو قبول کرو اور ہمیشہ یاد رکھو۔ تم ایسا کبھی مت کرنا جس کی وجہ سے اوس پشیمان بڈہے کی طرح تمہیں بھی افسوس کرنا پڑے بلکہ وہی کرنا جو تمہاری پیاری دلہن نے تمہیں نصیحت کی ہے۔ یہ سنکر لڑکا پلنگ پر سے ماری خوشی کے کود پڑا اور چلا کر بولا کہ اماں میری پیاری اماں :-

درین دریای بے پایاں درین طوفاں موج افزا
دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسا ہا

گنہگار

نقی محمد خاں خلیل خورجوی

بار دوم سنہ ۱۹۲۳ء

تاریخ تکمیل کتاب از نتیجۂ فکر شیخ ریاض الدین احمد صاحب اکبر آبادی

ہے حقیقت میں عجوبہ یہ کتاب — اسکو پڑھ کر نہ ہوں کیوں شاد عقیل
ہے مصنف کی لیاقت کا ظہور — کم عبارت ہے مضامین ہیں طویل

سال تکمیل قدا تم لکھدو
رنگ لایا چمن سبز خلیل

سنہ ۱۳۳۵ھ

از نتیجۂ فکر لسان العصر خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی

نور باطن بڑھ گیا اعجوبۂ اسرار سے — دل نے پائی تقویت انسان کی غمخوار سے
پردۂ غفلت اٹھا دیتے ہیں وہ مضمون ہیں یہ — پھیر دیتے ہیں طبیعت دہر کے بازار سے
ہیں مصنف اس رسالے کے بڑے عالی خیال — واقعی یہ ہے کہ وہ ہیں فرقۂ ابرار سے
بندہ ہی ہے موقت چشم عبرت و عرفاں تمام — ہاں لیا ہے کام انہوں نے دیدۂ بیدار سے

ہے بجا اعجوبہ اسرار کی نسبت یہ قول
دولت ایمان بڑھی تصنیف گوہر بار سے

دیگر تاریخ از اکبر

خدا کے بندۂ صالح رفیق محمد خاں — سپہر علم و خرد کے ہیں اختر تاباں
کتاب انکی یہی ہادئ طریق صواب — ملا ہے ہم کو یہ گنج جواہر خوش آب

جو غنچۂ قلب کا تاریخ کے طلب میں کھلا
کلید خلق سعادت میں سال طبع ملا

سنہ ۱۳۳۵ھ